چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم،
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم،

شمسِ معنوی

یعنی

دیوانِ غزلیاتِ مولانا رومؒ (المعروف بہ دیوانِ شمس تبریزؒ)

پر

تاریخی تنقید اور ادبی تبصرہ

از

غلام دستگیر رشید ایم اے (عثمانیہ)

استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

باہتمام مسعود علی ندوی

سنہ ۱۳۵۵ھ مطبوعہ معارف پریس شہر اعظم گڈھ سنہ ۱۹۳۷ء

فہرستِ مضامین

شمسِ معنوی

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
آغازِ سخن		ادوارِ زندگی،	۱۲
۱ - ۱۲			
ایران اور عشقیہ شاعری،	۱	**بابِ اوّل**	
غزل اور عشق کی ترجمانی،	۲	تاریخی یا خارجی شہادت،	
حُسن اور عشق کے مدارج،	〃	۱۳ — ۲۷	
فارسی شاعری کی ممتاز خصوصیت،	۴	مولینا کے بعض خاص حالات،	۱۳
صوفی شعرا میں مولینا روم کی اہمیت،	۶	شیخ عطارؔ کی جوہر شناسی،	〃
صوفی غزل گو شعرا میں مولینا کی اہمیت،	〃	تعلیم اور فضل وکمال،	〃
مولینا کی غزلیات کی اہمیت،	۷	حضرت شمس سے ملاقات،	۱۴
دیوان کی طرف عدمِ توجہ،	〃	**آغازِ بحث**	
دیوان کے متعلق غلط فہمی،	۸	تاریخی شواہد،	۱۷

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
علامہ شبلی کا بیان،	۱۷	اہم روایت،	۴۰
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی شہادت،	"	اہم تنبیہ	۴۴
تذکرہ ... کا بیان،	"	ایک نادر اور اہم روایت،	
ڈاکٹر ... کا بیان،	۱۹	اور سپہ سالار کی شہادت	
آتشکدۂ آذر	"	۴۵ — ۶۰	
خزینۃ الاصفیاء،	۲۰	ایک اہم روایت،	۴۵
بحر الفصاحت ۱۲۸۴ھ،	۲۱	رسالہ سپہ سالار کی شہادت،	۴۶
بہارستان سخن شاہ نواز خان،	۲۲	ایک اہم بحث،	۵۱
دارا شکوہ ۱۰۴۵ھ	"	سپہ سالار کا ایک اہم بیان،	۵۲
مرآۃ الاسرار عبدالرحمن چشتی ۱۰۴۵ھ	"	مثنوی سلطان ولد کی شہادت،	۵۰
طرائق الحقائق معصوم خان	۲۴	مثنوی سلطان ولد،	۵۹
حاشیہ نفحات الانس لاری ۹۰۹ھ	۲۵	چند اور شہادتیں	
نفحات الانس جامی ۸۸۳ھ،	۲۶	۶۱ — ۶۷	
دولت شاہ سمرقندی ۸۹۲ھ،	۲۷	عطار اور سنائی کا ذکر،	۶۱
مدینۃ العلوم ازنیقی قبل ۹۴۸ھ،	۲۸	فیہ ما فیہ کی شہادت،	"
الجواہر المضیۃ ابن عبدالقادر قبل ۷۷۵ھ	۳۰	ایک خاص اور اہم شہادت،	۶۳
دو خاص دلائل،	۲۶	کیا اس نسخہ کی غزلیات منتخبہ مولانا ہی	۶۶
مناقب العارفین کی شہادت،	۳۷	کی ہیں،	

مضمون	صفحہ
ایک بدیہی ثبوت،	۷۰
باب دوم	
داخلی اسباب	
۷۱ - ۱۰۶	
داخلی شہادت،	۷۳
دیوان شمس تبریز کے متعلق ایک غلط فہمی،	۷۳
مدح شمس تبریز اور اسکی نوعیت،	،،
مولینا کی مدحیہ غزلیں حضرت شمس کی خدمت میں،	،،
فیوض حضرت شمس کا اعتراف،	۸۳
حضرت شمس کی جدائی کا ذکر دیوان میں،	۸۵
حضرت شمس کی ملاقات کا اثر ہونا کا شاعری پر اس کا ذکر دیوان میں،	۸۶
مثنوی میں فیض شمس کا ذکر،	۸۷
درد فراق کا اظہار،	،،
حضرت شمس کی قونیہ کو واپسی،	۹۰
دمشق کی طرف حضرت شمس کی دوبارہ واپسی،	۹۲
دیوان میں اسکی شہادت،	،،

مضمون	صفحہ
مولینا کا سفر دمشق، دیوان میں اس واقعہ کا اظہار،	۹۲
چند مزید قطعی شہادتیں،	۹۲
ایک خاص ثبوت، اپنا حال،	۹۳
شمس تبریز اور مولینا کا ربط،	۹۵
مولینا کا تخلص،	۹۶
ایک خاص دلیل،	،،
مولینا کا ایک خاص اقرار،	۹۷
مولینا کے معاصرین و مریدین اور ان کا تذکرہ دیوان میں،	
حضرت صلاح الدین زرکوب کی تعریف،	،،
حضرت حسام الدین چلپی کی تعریف،	۱۰۰
عطار و سنائی کی تعریف،	۱۰۲
سپہ سالار کی تعریف،	۱۰۳
سلطان ولد سے خطاب،	۱۰۴
حضرت شہاب الدین سہروردی کا ذکر،	،،
اوحد الدین کرمانی کا ذکر،	۱۰۵

باب سوم

مولینائے روم کی غزلیات کی خصوصیات

(محاسن و معائب)

۱۰۷-۱۶۱

مضمون	صفحہ
جذبات نگاری اور اصلیت،	۱۰۸
جذبات نگاری،	۱۱۰
حقائق کی ترجمانی،	۱۱۲
جوش خیال اور بیان،	۱۱۴
خاص مضامین،	۱۱۷
عشق اور اسکے متعلقات،	؍؍
عشق ہی ابدی زندگی کا باعث ہے،	؍؍
عقل و عشق کا مقابلہ،	۱۲۰
دل کی عظمت و اہمیت،	۱۲۱
جذبات عشق،	۱۲۳
شرف نفس انسانی،	۱۲۵
رنگ بقا سر خودی اور رمز بے خودی،	۱۲۹
توحید،	۱۳۳

مضمون	صفحہ
پیغام گوئی،	۱۳۶
رجائیت و پیغام طرب،	۱۳۸
حزن و یاس ام الخبائث ہیں،	۱۳۹
عالی ہمتی،	؍؍
آزادی عشق،	؍؍
پیر روشن ضمیر کی تعریف،	۱۴۱
استدلال تمثیلی،	؍؍
عربیت،	۱۴۳
تسلسل مضامین،	۱۴۴
شاعرانہ بیان کی خوبیاں یعنی شعر کے صوری محاسن،	۱۴۶
سادگی،	؍؍
جدت و حسن تشبیہ،	۱۴۷
بحر کی موزونیت اور کلام کی روانی،	۱۴۸
پرگوئی،	۱۵۰
مدح گوئی سے احتراز،	؍؍
شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے نقائص،	؍؍
زبان صنف غزل کے مناسب نہیں،	۱۵۱

مضمون	صفحہ
تعقید لفظی، پیچیدہ ترکیبیں،	۱۵۱
فکِ اضافت،	״
نقص تشبیہ،	۱۵۲
پیرایۂ مجاز،	״
روزمرہ اور محاورہ کی کمی،	۱۵۳
جدتِ اسلوب کی کمی، پیرایۂ ادا کی تکرار، اور ان کے اسباب،	״
عطار و سنائی کا اثر،	۱۵۴
مولینا کے کلام پر خود ان کی رائے،	״
شیخ سعدیؒ کی قدرشناسی،	۱۵۶
حضرت جامیؒ کی رائے،	۱۵۷
علامہ شبلی نعمانی کی رائے،	״
پروفیسر براؤن اور ڈاکٹر نکلسن کی رائے،	۱۵۸
علامہ اقبال کی رائے،	۱۵۹
اجمالی ریویو،	۱۶۰

مضمون	صفحہ
باب چہارم	
(مولانا کا مسلک، تصوف یا فلسفۂ حیات	
(دیوان کی روشنی میں)	
۱۶۲ ـ ۱۷۵،	
تصوف اور ملامت،	۱۶۲
بعض غلط فہمیوں کا ذکر،	۱۶۳
توحید،	۱۶۶
توحید وجودی کا مسئلہ،	۱۶۸
وحدۃ الوجود،	״
توحید انیت،	״
توحید ارادت،	۱۶۹
اتباعِ رسالت،	۱۷۰
علم حق وحی،	۱۷۱
مسلک کی جامعیت،	۱۷۲
پیر کی رہنمائی،	۱۷۵
عشق پر مسلک کمال منحصر ہے،	۱۷۶
نتیجہ اور استقامت،	۱۷۸
نتیجہ سلوک بقا باللہ،	۱۷۹

فہرست کتب

تاریخی مآخذ

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مصنف	کیفیت
۱	سوانح مولینا روم،	علامہ شبلی نعمانی	مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی،
۲	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام		
۳	لٹریری ہسٹری آف پرشیا (جلد دوم)	پروفیسر براؤن،	
۴	دیوان شمس تبریز	مرتبہ ڈاکٹر نکلسن،	مطبوعۂ کیمبرج سنہ ۱۸۹۸ء
۵	آتشکدۂ آذر	حاجی لطف علی بیگ آذر،	مطبوعہ فتح الکریم بمبئی سنہ ۱۲۹۹ھ
۶	خزینۃ الاصفیا جلد دوم،	غلام سرور،	مطبع منشی نولکشور سنہ ۱۸۰۳ء
۷	بہارستان	عبد الرزاق خان،	(قلمی) سنہ ۱۱۹۴ھ
۸	سفینۃ الاولیاء،	شاہزادہ دارا شکوہ،	(قلمی) سنہ ۱۰۴۹ھ
۹	مراۃ الاسرار،	عبد الرحمن چشتی صابری،	(قلمی) (سنہ ۱۰۴۵ھ تصنیف)
۱۰	طرائق الحقائق	حاجی مرزا معصوم خان،	
۱۱	حاشیہ نفحات	عبد الغفور لاری،	(قلمی) (سنہ ۹۰۹ھ تالیف)

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مصنف	کیفیت
۱۲	نفحات الانس	مولینا عبد الرحمن جامیؒ،	(قلمی) ۸۸۳ھ
۱۳	تذکرۂ دولت شاہ	شاہزادہ دولت شاہ	۸۹۶ھ تصنیف، مطبوعہ لیڈن،
۱۴	مدینۃ العلوم،	ازنیقی،	(قلمی)
۱۵	الجواہر المضیہ،	محی الدین ابن محمد عبد القادر	مطبوعہ دائرۃ المعارف،
۱۶	حقائق الاولیا،	محمد قیام الدین،	
۱۷	ہفت اقلیم،	امین احمد رازی،	۱۰۲۰ھ تصنیف
۱۸	مرآۃ الخیال،	شیر خاں لودی،	(مطبوعہ) ۱۱۰۲ھ تکمیل،
۱۹	مناقب العارفین،	شمس الدین افلاکی مرید چلپی عارف	مطبوعہ ستارہ پریس آگرہ،
	″	″	(قلمی) کتبخانۂ آصفیہ،
۲۰	رسالۂ سپہ سالار،	فریدون سپہ سالار مرید مولینا رومؒ	مطبوعہ محمود المطابع کانپور ۱۳۱۹ھ
۲۱	مثنوی سلطان ولدؒ (رباب نامہ)	سلطان ولدؒ فرزند اکبر مولینا رومؒ	قلمی بقلم فرزند سلطان ولد ۷۱۱ھ کتابت
۲۲	فیہ مافیہ	ملفوظات مولینا روم مرتبہ مولینا عبد الماجد دریابادی	مطبع معارف اعظم گڈھ
۲۳	(انتخاب) غزلیات مولینا روم وفرزند مولینا روم،		قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن

بیا کہ من ز خمِ پیرِ روم آوردم

مئے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی است

(اقبال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

خدا نے انسان کو جب ہستی کا جامہ پہنایا، تو اس میں کچھ گل بوٹے بھی بنا دیئے، جس کی بدولت گلشنِ حیات کی رنگینی "جنتِ نظر" بن گئی، حسنِ ازل کی طرف سے جو کچھ انسان کو ملا، اس میں ایک دل بھی ہے، حسن کے ساتھ عشق بھی پیدا کیا گیا، اور دل "مقامِ عشق" ٹھہرا، عشق کو نطق عطا کرنا مقصود ہوا، تو دل کو زبانِ عشق یعنی ملکۂ شعر نصیب ہوا، عالمِ شعر کی ساری رونق جذبات کی بدولت ہے، عشق ان کی جان ہے، روحِ رواں ہے، جس قدر قوی یہ جذبہ ہوتا ہے، کوئی اور جذبہ نہیں، جس قدر لطیف یہ احساس ہوتا ہے، کوئی اور احساس نہیں، ع:-

عشق می گوئیم و جان می دہیم از لذتِ وے

ایران اور عشقیہ شاعری، جس طرح مختلف افراد میں اس جذبہ کے اعتبار سے تفاوتِ باطنی ہوتا ہے، اسی طرح مختلف اقوام میں بھی بحیثیت مجموعی سوزِ عشق بہ اختلافِ مدارج پایا جاتا ہے، یوں تو ہر قوم کے گلستانِ ادب میں عشقیہ شاعری کی بہار ہے، لیکن فارسی شاعری میں اس کا کچھ اور ہی حسن و شباب ہے، ایک وجہ اسکی یہ ہے، کہ مبدءِ فیاض نے ایران کو بھی حسن بخشا ہے، اور اہلِ ایران کو بھی، ان قدرتی فیوض کے علاوہ ایران میں تمدن

کے عروج نے احساسات کو بے حد لطیف اور اشتعال انگیز بنا دیا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہے، کہ حُسن تو جلوہ ریز ہو لیکن عشق بیتاب نہ ہو۔ ع

جلوۂ طور تو موجود ہو موسیٰ ہی نہ ہو،

ہر اہلِ دل اس مصرعہ کا مصداق بنا ہوا تھا۔ ع

اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی،

نتیجہ یہ ہوا کہ عشقیہ شاعری کو اس سرزمین مین جسقدر فروغ ہوا کسی اور قوم کے ادب مین اسکی نظیر نہین، اگرچہ ہر بوالہوس نے حُسن پرستی اور شعر گوئی کو اپنا شعار بنا کر اسکی رسوائی کا بھی کافی سامان کیا لیکن بحمد اللہ "آبروے دیدۂ اہلِ نظر" پر کوئی حرف نہ آسکا،

غزل اور عشق کی ترجمانی، اصنافِ سخن مین سے غزل کو عشق و محبت کی ترجمانی کیلئے اختیار کیا گیا، اس لئے غزل کو معراجِ کمال اور قبولیتِ عام کا جو شرف حاصل ہوا، یہ بات کسی اور صنفِ سخن کو نصیب نہ ہوئی،

عشق حقیقی اور عشقِ مجازی کے جزئی وکلّی دقیق اور لطیف احساسات اور جذبات کی ترجمانی جس حسن و خوبی اور جس کثرت سے فارسی غزل مین ہوئی، اس کی نظیر دنیا کی کسی اور زبان مین مشکل سے ملتی ہے،

حسن اور عشق کے مدارج، جس طرح حُسن اور عشق کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں، اس کے مراتب اور مدارج بھی مختلف ہیں، جیسے مظاہرِ حُسن غیر محدود ہین، ویسے عشق کے مراتب بھی لاتناہی ہین، محبت ماں سے بھی ہو سکتی ہے، اور بہن سے بھی، لوگ وطن پر بھی فدا ہوتے ہیں، اور اہلِ وطن پر بھی، قلبِ انسانی کبھی حُسنِ فطرت کا شیدا ہوتا ہے اور کبھی در دولت سے بے تاب، کوئی کسی سیمتن نازنین کے ایک ہی جلوہ سے اسقدر مسحور ہوتا ہے، کہ سب کچھ صرف اس کی ایک نگاہِ لُطف پر قربان کرنے کو طیار رہتا ہے، لیکن یہ سب حُسن و عشق کی فانی صورتین ہین،

جذبۂ عشق کو کمال اور اطمینان اسوقت نصیب ہوتا ہے، جب وہ حُسنِ مطلق کا شیدائی ہوجاتا ہے،

بیتابیٔ عشق کو تسکین کامل حُسنِ ازل ہی کے ربط سے ہوتی ہے،

عشق کا محرک حُسن ہے حُسن جس مرتبہ کا ہوگا کشش عشق بھی اسی درجہ کی ہوگی، عشقِ حقیقی میں ناز اور نیاز دونوں بے نظیر ہین،..ع

من بہ نازی عجبے تو بہ نیاز ے عجبے،

عشق مجازی میں وہ دبدبہ وجلال وہ جذبۂ استقلال وبیخودی، وہ بے نفسی اور تسلیم کہاں جو عشق حقیقی کا خاصہ ہے، اس مسلک محبّت کا نام تصوّف ہے، ایمان کا کمال اسی محبت کی شدّت اور قوت مین پوشیدہ ہے، الذین آمنوا اشدّ حُبًّا للّٰہ، درس تصوف کی پہلی اور آخری کتاب "دیوان عشق" ہی ہے، عشقیہ شاعری کی معراج عشق حقیقی پر منحصر ہے، جو تصوّف سے وابستہ ہے،

مجازی اور حقیقی عشق میں واردات قلبی، اور جذبات الفت مثلاً اشتیاق دید، لذّت انتظار، تمنّاے وصال عشق اور اس کے لوازم تقریباً ملتے جلتے ہین، البتہ خاص فرق وامتیاز محبوب اور مقصود کا ہوتا ہے، عاشق مجاز کا نشہ خمار آشنا ہوتا ہے لیکن طالب حق لذّت شرب ودوام سے فیضیاب ہوتا ہے،

فارسی میں عشقیہ شاعری اور غزل سرائی نے بھی اسی اعتبار سے مدارج تاثیر وکمال طے کئے،

ایک مدت تک ایران کی توجہ جنگی تحریکات اور جذبات کیلئے وقف رہی، اس دور میں شعراء کی طبع آزمائی بھی داستان سرائی اور قصیدہ گوئی کے میدان میں ہوتی رہی، اس کا اثر اسقدر نمایان تھا کہ تشبیب اور ابتدائی غزلیات میں بعض استعارات اور تشبیہات بھی رزمیہ اثر ہی کے تحت ایجاد ہوئین، مثلاً ابرو کو تیغ، نظر کو تیر اور مژگان کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی تھی،

رزم سے بزم کی طرف طبیعت نے پلٹا کھایا، تو غزل سرائی رونق محفل بنی، ابتدائی منزلون میں تغزّل صرف عشق مجازی کی آئینہ دار بنی رہی لیکن جب دور تصوّف آیا، تو عشق دنیا کا یہ غم محبوب حقیقی کے غم عشق سے مبدل ہوگیا اس طرح غزل گوئی کے بادۂ خام کو صوفیاے کرام کے شیشۂ دل نے پختہ کر دیا،

در دل ما غم دنیا غم معشوق بود   بادہ گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

یا بقول مولانائے روم سے

آتش عشقست کاندر نے فتاد   آتشِ عشقست کاندر مے فتاد

غزل کی بلندی اور ترقی کی تاریخ تصوف کی ترقی سے وابستہ ہے محبوب اور مطلوب کی بلندی کے باعث عشق و محبت کو بھی بلندی حاصل ہوئی، یہی وجہ ہے کہ ارباب صفا کے کلام میں جسقدر بلندی جذبات پاکیزگیِ خیال، صداقتِ احساس، اور اثر اخلاص پایا جاتا ہے، وہ کسی اور گروہ کے کلام میں نہیں،

صوفیانہ شاعری ان الفاظ اور خیالات سے پاک ہوتی ہے، جو پاکیزگی نزاہت اور تہذیب کے خلاف ہوتے ہیں، مثلاً بوس وکنار وغیرہ، اگرچہ عشق حقیقی کے صدہا مضامین مجاز کے پیرایہ میں ادا کئے جاتے ہیں لیکن صرف اس حد تک کہ بادہ و ساغر کے استعارہ میں مشاہدہ حق کی گفتگو ہو سکے، لیکن اس پیرایہ مجاز نے کبھی آلودگی کا داغ قبول نہیں کیا،

فارسی شاعری کی ممتاز خصوصیت یہ بیان ہو چکا ہے کہ عشقیہ شاعری کا کمال عشق حقیقی پر موقوف ہے، اور تصوف کیساتھ مخصوص ہے، اور زبانوں میں صوفیانہ شاعری کم ہے، پانچویں صدی ایران میں صوفیانہ شاعری کے عروج کا زمانہ ہے، کیونکہ یہ تصوف کا عہدِ شباب ہے، اسلئے عشقیہ شاعری کے حسن و کمال میں دنیا کی کوئی زبان فارسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جو معنوی حُسن و بلندی اسکی وجہ سے شعر فارسی کو حاصل ہے اسکی نظیر شاید ہی دنیا کی کسی اور قوم یا زبان کی شاعری میں ہو، یہ وہ کمال ہے جس پر اہل زبان اور فارسی دان جسقدر ناز کریں بجا ہے، کس زبان کی شاعری حدیقہ سنائیؒ کی شادابی، عطارؒ کی عطر بیزیاں سعدیؒ کی مئے ناب نظامیؒ کی رمز گوئی، رومیؒ کے نغمۂ نے، عراقیؒ کے عرفانی گیت، حافظؒ کی نغمہ سرائی خسروؒ کے سحرِ حقیقت، جامیؒ کے جامِ جان بخش، گلشنِ راز کی بہار، اور اقبال کے رموز بیخودی کا جواب پیش کر سکتی ہے، ظاہر بیں اور ظاہر پرست مغرب تو اس عالم لطیف کی نعمتوں اور اس خلد کی بہار سے تقریباً محروم

ہی ہے لیکن حقیقت شناس اور باطن نواز مشرق بھی فارس کے اس میکدۂ حقیقت کی نظیر نہیں پیش کرسکتا اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ تصوف ہر صوفی فرد یا صوفیانہ ذوق رکھنے والی قوم میں زبانِ شعر ہی اختیار کرے، سب سے پہلے جن اہلِ دل بزرگوں نے کلامِ مجاز کو نغمۂ حقیقت سے بدلا، وہ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ اور خواجہ عبداللہ انصاریؒ ہیں، مثالاً عشقِ حقیقی کے ان اولین ترجمان شعرا کے کلام میں اثر، جوش، اخلاص، شدتِ عشق، اور حُسنِ بیان ملاحظہ ہو جس سے پتہ چلتا ہے، کہ صوفیانہ شاعری کا آغاز کس قدر بلند اور اس کا قبلۂ مقصود کسقدر رفیع الشان تھا،

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست ۔۔۔ تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست

اجزاے وجودم ہمگی دوست گرفت ۔۔۔ نامیست ز من برمن و باقی ہمہ اوست

(خواجہ انصاری)

راہِ تو بہر قدم کہ پویند خوش است ۔۔۔ وصلِ تو بہر سبب کہ جویند خوش است

روئے تو بہر دیدہ کہ بینند خوش است ۔۔۔ نامِ تو بہر زبان کہ گویند خوش است

(ابوالخیر)

ان کے بعد حکیم سنائیؒ نے حدیقہ نگاری فرمائی، انھوں نے اپنے کلام میں نہ صرف صوفیانہ جذبات کا اظہار کیا، بلکہ مسائلِ تصوف کو بھی فلسفیانہ پیرایہ میں بیان کیا، حکیم سنائی کے بعد حضرت عطارؒ نے اپنی عطر بیزی سے مشامِ جان کو معطر فرمایا، حضرت عطارؒ نے صوفیانہ شاعری کے دائرہ کو ایسی وسعت بخشی، کہ مثنوی، رباعی، غزل سارے اصنافِ سخن پر بادۂ صافی کا نشہ چڑھ گیا، سب پر صبغۃ اللہ کی رنگینیاں اپنی بہار دکھانے لگیں، تاتاری ہنگامہ نے پردۂ غفلت چاک کیا، عالمِ فانی کی بہار کے دو روزہ ہونے کا احساس شدید اور عام ہوا تو فطرۃً حُسنِ باقی کی طرف اکثر اہلِ عبرت اور صاحبِ دل متوجہ ہوگئے، تصوف کی گرم بازاری ہوئی، اکثر اربابِ صفا کو شعر گوئی کا ملکہ بھی فطرت سے ودیعت ہوا تھا، صوفی شعرا کی کثرت ہوئی،

اوحدیؒ، سعدیؒ، عراقیؒ اور مولینا رومؒ نے صوفیانہ شاعری کے باغ کو رشکِ ارم بنا دیا،

صوفی شعرا میں مولانا روم کی اہمیت | بلا شبہ حکیم پاک ذات مرشد رومی کو ان عاشقانِ پاک طینت اور شاعرانِ بلند فطرت کی سرداری حاصل ہے، ان کی حقیقت طرازی نے تو زبانِ شعر کو سراپا الہامی بنا دیا،

انکی مثنوی کے متعلق اربابِ معرفت کا خیال یہ ہے، کہ ؎

مثنوی مولوی معنوی، ہست قرآن در زبانِ پہلوی،

اس کتابِ حق نما کی بنا پر انھیں ع

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

کہا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تصوف اور فارسی شاعری کی معنوی قدر و قیمت کی بلند بانگ نقیب ہے، ایک عالم اس کے سحر سے مسحور ہے، اور دنیا کی ساری اہم زبانین اس کے معنوی فیض سے استفادہ کی کوشش کر رہی ہیں شبلی کا یہ قول بالکل صحیح ہے، کہ اسکی شہرت اور مقبولیت کے آگے ایران کی ساری تصانیف دب گئی ہیں، جس کام کو سنائیؒ اور عطارؒ نے شروع کیا، مولانا نے مثنوی کے ذریعہ اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا،

نظم میں علاوہ مثنوی معنوی کے انکی غزلیات کا بھی ایک قابلِ قدر اور عظیم الشان مجموعہ ہے، غزل کی جان گدازِ الفت، سوزِ دل، اور بیخودی کا اثر ہے، اگرچہ انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، کمال اسمٰعیل، مسعود سعد سلمان، اور عبدالواسع جبلی وغیرہم نے بھی غزلین لکھیں، لیکن ان کے کلام کا نمایان اور غالب عنصر صنائع لفظی، اور الفاظ کی مرصع کاری ہے، ان کی غزلین اس سوزِ عشق سے خالی تھیں جس نے اربابِ حال اور عشاقِ شیرین مقال کی غزلیات کو مئے دو آتشہ بنا دیا تھا،

صوفی غزل گو شعرا میں مولینا کی اہمیت | تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ابتدا میں جن لوگوں نے صنفِ غزل کو ترقی دی، اور اس کے جسمِ مردہ کو معنی اور اثر کی روح بخشی اور غزل کو غزل بنایا، وہ سعدیؒ، عراقیؒ

اور مولینا رومؒ ہیں، اگرچہ کلام کے صوری محاسن اور لطائف کے اعتبار سے مولینا کی غزلیات سعدیؒ اور عراقیؒ کی غزلیات کے ہم پایہ نہیں لیکن مختلف معنوی خصوصیات کے باعث ان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے، جو انھیں فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔

مولینا کی غزلیات کی اہمیت، مولانا کی غزلیات مختلف وجوہ کے باعث مولانا کی تصانیف کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کرنیوالے کے لئے اہم اور توجہ کے قابل ہیں،

۱۔ یہ فارسی کے سب سے بڑے معنوی شاعر، صاحبِ مثنوی ہی کے کلام کا ایک بڑا جزو ہیں،

۲۔ غزلیات مثنوی سے پہلے لکھی گئی ہیں یعنی یہ مولانا کے معنوی اور ادبی ارتقار کا پہلا زینہ ہیں،

۳۔ فارسی غزل کی ترقی کے سلسلہ میں ان کی خاص اہمیت ہے، کیونکہ مولانا غزل کے اولین دور کے شعرا میں ہیں،

۴۔ شاعری کی ایک نوع پیغام گوئی ہے جس کی مثال اردو میں اکبر اور اقبال کی شاعری ہے، فارسی شاعری میں مولانا کی غزلیات پیغام گوئی کا بہترین نمونہ ہیں،

۵۔ گرمیٔ عشق، بیتابیٔ الفت، اسرار خودی، اور رموز بقا کی جس زور اور جس قوت سے پردہ کشائی کیگئی ہے، اسکی مثال فارسی شاعری میں سوائے اقبال کے کسی اور کے کلام میں نہیں ملتی، اس خصوص میں ڈاکٹر اقبال بھی بادۂ رومی سے فیضیاب ہوئے ہیں، ؎

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم، زندگانی از نفسہایش کنم،

۶۔ انکی غزل مسلسل نظم معلوم ہوتی ہے، جس میں عشق ومحبت اور دیگر احساسات کی تصویر اس تسلسل کیساتھ کھینچی ہے، کہ پردۂ دل کا نقش آنکھوں کے آگے آجاتا ہے،

دیوان کی طرف عدم توجہ، مثنوی بجا طور پر ہمیشہ اہلِ ادب اور عارفین کی توجہ کا مرکز رہی ہے، لیکن دیوان، سخن شناسوں کی نگاہِ التفات سے محروم رہا الا ماشاء اللہ شاید ہی کسی نے اسکی طرف توجہ کی، عرصہ ہوا

ڈاکٹر نکلسن نے اپنی علمی مشغولیتوں کے ابتدائی دور میں چند غزلیات کا انتخاب ایک سرسری مقدمہ کیساتھ ۱۸۹۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شائع کیا تھا،

دیوان کے متعلق غلط فہمی، اس عدم توجہ اور عدم تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوان کے متعلق غلط خیالات پھیل گئے، اور وہ بالکلیہ حضرت شمس تبریزؒ سے منسوب ہو گیا، اور عموماً حضرت شمس ہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا جانے لگا، یہ صحیح ہے کہ محققین کے نزدیک یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں لیکن بعض واقف حال اور اہل علم حضرات کے سوا تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے حضرت شمس ہی کا دیوان خیال کرتے ہیں، اور جب ان کے سامنے حقیقت حال بے نقاب کیجاتی ہے، تو اس کو تعجب اور شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں:۔

اس لاعلمی اور غلط فہمی کے چند اسباب یہ ہیں:۔

۱۔ مطبوعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے شائع ہو گیا،

(ملاحظہ ہو کلیات شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

۲۔ کلیات کے علاوہ مطبع نولکشور نے دیوان کے نام سے منتخبہ غزلیات کے مختلف اڈیشن شائع کئے ہیں، وہ بھی دیوان شمس تبریز ہی کے نام سے موسوم کئے گئے،

(ملاحظہ ہو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ۱۳۲۶ھ)

۳۔ اس سے پہلے دیوان کے جسقدر نسخے لکھنؤ اور کانپور سے طبع ہوئے ان پر دیوان شمس تبریز ہی لکھا ہوا ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں جسقدر مطبوعہ نسخے ہیں، انکا یہی حال ہے،

۴۔ غلط فہمی عام ہونے کے سب سے بڑی وجہ انہی دواوین کی غلط نام سے اشاعت تھی، کیونکہ اکثر پڑھے لکھے حضرات کے ہاتھوں میں یہی مطبوعہ نسخے پہنچے،

حتیٰ کہ ڈاکٹر نکلسن نے جو انتخاب شائع کیا ہے، اس کا نام بھی دیوان شمس تبریز ہے، گو اصل راز سے واقف ہیں، اور وہ اسکو مولانا ہی کا کلام سمجھتے ہیں لیکن اپنے اس خیال کو دلائل سے مستحکم

نہیں کیا ہے،

کلیات یا دیوان کے مطبوعہ نسخوں کے دیباچوں یا اختتامی تحریروں اور طباعت کے تاریخی قطعات میں بھی ظاہر کیا گیا ہے، کہ یہ دیوان حضرت شمسؒ کا کلام ہے، مثلاً:-

"دیوان کرامت نشان، مشرقستانِ مضامینِ توحید و عرفان، تجلی کدۂ لطائفِ ایقان، نور انگیز یعنی دیوانِ شمس تبریز، از خزائنِ اسرار خاطر امیں خلوت سرائے قدس، قدوۃ العارفین، اسوۃ الواصلین، رفیقِ شریعت و طریقت، رمز شناس لطائفِ حقیقت و معرفت، غواصِ محیط وحدت، مشاہد وحدت در کثرت، ولیِ مادرزاد، حضرت ملک داد، ملقب بہ شیخ شمس الدین تبریزی"

(خاتمۃ الطبع دیوان شمس تبریز ۱۳۲۶ھ لکھنو)

"مجموعہ کلامہائے حلاوت آگین، انگبین ریز، اعنی کلیات شمس تبریز، از خیال خدا داد تجلی زائی آفتاب تابانِ آسمانِ عرفان و سلوک، معرفت نژاد ولیِ مادرزاد محمد بن ملک داد حضرت شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ"

(کلیات شمس تبریز ۱۳۰۲ھ نولکشور)

نظمیست عجیب دل نشینی	ہر مصرعہ او ست بس طرب خیزا
عاقل نوشت سالِ ہجری،	دلبر دیوانِ شمس تبریزا

(۱۳۲۶ھ دیوان شمس تبریز منشی نولکشور)

دیوان کے قلمی نسخوں کی فہرستوں میں بھی اس کو کہیں کہیں حضرت شمس تبریزی کی طرف نسبت دی گئی ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں دیوان کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، لیکن وہ نہایت ناقص ہے یعنی ہر آٹھ دس ورق کے بعد ایک ورق غائب ہے، نہ اوسکا سرورق ہے، نہ آخر میں کچھ عبارت ہے البتہ فہرست میں دیوان شمس تبریزی کے نام سے درج ہے، (ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول صفحہ ۷۲۶)

مولینا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) کے ہان ایک قدیم نسخہ ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی نامکمل ہے، صاحب موصوف نے ازراہ علم دوستی یہ نسخہ روانہ فرما کر استفادہ کا موقع بخشا جس کے لئے ہم نواب صاحب موصوف کے ممنون ہین، اس کا بھی یہی حال ہے کہ نہ پہلا ورق ہے، نہ آخری صفحہ، اور نہ اس میں کوئی تحریر ہے، جس سے دیوان کی اصل ملکیت کے مسئلہ کا حل ہو سکتا،

مولانا کے معتبر ترین اور قدیم تذکرون، رسالۂ سپہ سالار اور مناقب العارفین میں دیوان کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے، بدنصیبی سے شعراء کے بعض تذکرون میں بھی حضرت شمس کو شاعر لکھا گیا ہے، اور اُن کے کلام سے نمونہ کے طور پر اشعار درج کئے گئے ہیں، مثلاً تذکرہ روز روشن (۱۲۹۷ھ مولفہ محمد مظفر حسین مطبوعہ بھوپال) میں ہے،

"از منشئۂ کلام شمس تبریز این شعر است"

در طوفِ حرم بودم دے منعجبہ میگفت　　　کاین خانہ بدین خوبی آتشکدہ بایستے

اس قسم کی تحریرون سے غلط فہمی اور حقیقت فراموشی اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ محققانہ بیانات پر کم لوگوں کی نظر پڑتی ہے، حالانکہ تقریباً سارے محقق تذکرہ نویسون نے اس کو حضرت مولینا رومی کی تصنیف ظاہر کیا ہے،

چند غزلین عام طور پر مقبول اور مروج ہوئین، تو انکے مقطعوں میں حضرت شمس تبریزی کا نام تھا، اسلئے عام طور پر حضرت شمس کو فارسی کا ایک بلند پایہ شاعر اور اس دیوان کو انہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا گیا، انہی اسباب کے باعث عارف روم کا شاندار تغزل پردہ پوش ہوگیا اور وہ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے غیر معروف ہوگئے جہانتک ہمیں علم ہو مشرق اور مغرب میں ابھی تک ایسی باقاعدہ اور محققانہ جدوجہد نہیں کی گئی کہ اس دیوان کو ان شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کے طلسمات سے نکالا جائے اور داخلی و خارجی شواہد اور تاریخی

ادبی براہین سے یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ شراب طہور عارف روم مولوی مثنوی ہی کی کشید کی ہوئی ہے،

ان صفحات میں اسی کی اولین لیکن ابتدائی کوشش کی گئی ہے، اور وہ بھی ایک طالب علم کی طرف سے،

کام کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے لیکن بے بساطی اور بے سرو سامانی کے باعث راہ میں مختلف مشکلات حائل ہیں،

اسکے لئے علاوہ شعرا، اولیا و کبار کے تذکروں اور سوانح عمریوں کے ایک طویل سلسلہ کے کلیات کے کئی نسخوں،

ملفوظات اور مثنوی معنوی کے سارے دفتروں کا کامل مطالعہ ضروری ہے لیکن ایک تعلیمی سال کا تنگ وقت

دوسری تعلیمی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ کما حقہ ان کے مطالعہ، فراہمی مواد، اور تحریر مقالہ کیلئے ناکافی ہے،

ہماری تلاش اور تحقیق کی بنیاد اس مواد پر ہے جو حیدرآباد میں ہمارے ہاتھ آسکا مغرب اور مشرق کے

کے مختلف مقامات پر جو اہم مواد پایا جاتا ہے، اسکے استفادے سے ہم مجبور اور معذور ہیں،

کلیات کے بعض اہم اور قدیم نسخے جو قسطنطنیہ یا یورپ کے بعض کتبخانوں میں پائے جاتے ہیں ہماری

رسائی سے باہر ہیں، اس وقت کے سب سے قدیم ترین اور صحیح ترین نسخہ کی بحث ہمارے دائرہ عنوانات

سے خارج ہے، سلسلہ تحقیق میں مختلف مقامات ایسے درپیش ہوتے ہیں، کہ قدیم اور معتبر نسخوں سے مقابلہ

کے بغیر کامل اطمینان نہیں ہوتا،

امید ہے کہ ایک طالب علم کی اس ابتدائی اور اولین کوشش پر نظر ڈالتے وقت یہ واقعی مشکلات بھی پیش نظر

ہونگی، اور مختلف کمزوریاں نظرانداز کیجائیں گی،

Checked 1987

ہمارے مباحث کا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے:-

۱- خارجی یا تاریخی شواہد جن سے ثابت ہو کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے،

۲- داخلی اور معنوی شہادتیں جن سے مذکورۂ بالا دعوی کی تائید ہوتی ہو،

۳- مولانا کی غزلیات کے محاسن نقائص اور خصوصیات جو انہیں فارسی کے دیگر مشہور غزل گو صوفی شعرا کے کلام سے ممتاز کرتے ہیں،

۴- مولانا کا مسلک تصوف اور فلسفہ حیات جو دیوان سے مترشح ہوتا ہے،

ادوارِ زندگی، مولانا کے ادوارِ زندگی، ان کے معتبر ترین تذکرہ رسالہ سپہ سالار کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہیں،

۱- ۶۰۴ھ سنہ پیدائش،

۲- ... تا ۶۲۸ھ (۲۴ سال) تحصیل علوم ظاہری و سیاحت وغیرہ۔

۳- ۶۲۸ھ تا ۶۴۲ھ (۱۴ سال) تدریس و افتا، تکمیل دورِ قال،

۴- ۶۴۲ھ تا ۶۵۲ھ (۱۰ سال) آغاز دورِ معنوی و ملاقاتِ شمس و غیاب، تصنیف دیوان،

۵- ۶۵۲ھ تا ۶۶۲ھ (۱۰ سال) دورِ تسکین و صحبت خاص صلاح الدین زرکوب،

۶- ۶۶۲ھ تا ۶۷۲ھ (۱۰ سال) صحبت خاص حسام الدین چلپی و تکمیل مثنوی،

۷- ۶۷۲ھ سنہ وصال،

ضروری تنبیہ، اس مقالہ میں دیوان شمس تبریز کے ایسے حصۂ کلام سے بحث نہیں کی گئی ہے جو مشکوک ہے، یا نمایاں طور پر دوسرے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے، جسے مولانا کے کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، کیونکہ دیوان کے اصلی اور صحیح نسخہ کی بحث ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے،

باب اوّل

تاریخی یا خارجی شہادت

مولیناؒ کے بعض خاص حالات مولینائے روم[1] رحمہ اللہ نے بتاریخ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ ہجری عالم فانی میں قدم رکھا، مقامِ پیدائش بلخ ہے، نسباً صدیقی ہیں، نسبتِ صدیقی کا اثر بزرگانِ خاندان میں مسلسل ظاہر ہوتا رہا، مولانا کے والد ماجد حضرت سلطان العلماء بہاء الدین علوم ظاہری و باطنی میں اپنے عہد میں بے نظیر کمال رکھتے تھے، برگزیدۂ خالق اور محبوبِ خلائق تھے،

شیخ عطار کی جوہر شناسی محمد خوارزم شاہ شیخ عزیز اور ارادتمند تھا لیکن بعض غلط فہمیوں کی بنا پر برگشتہ ہو گیا، سلطان العلماءؒ نے مع اپنی جماعت کے بلخ سے ہجرت فرمائی، اثنائے سفر میں قافلہ نیشاپور پہنچا، شیخ عطارؒ سلطان العلماءؒ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا کمسن تھے لیکن جوہر شناس عطارؒ نے اس قطرۂ نیساں کی قدر پہچان لی، اپنی کتاب اسرار نامہ ہدیۃً دی، اور سلطان العلماءؒ سے فرمایا،

"زود باشد کہ ایں پسر آتش در سوختان عالم بر زند،"

تعلیم اور فضل و کمال ابتدا میں والد ماجد نے تعلیم و تربیت فرمائی، اس کے بعد تاج المحذومین حضرت سید برہان الدین جیسے متبحر عالم و عارف آپ کے معلم مقرر ہوئے، شوقِ علم کا یہ عالم تھا کہ حلب، دمشق، اور دیگر مقامات کے علمی مرکزوں میں جا کر اہلِ کمال کے فیضِ تعلیم سے مستفید ہوئے، نوجوانی ہی میں علم و فضل پایۂ استناد کو پہنچ گیا،

[1] یہ حالات مولیناؒ کے معتبر ترین تذکرہ رسالہ سپہ سالار سے لئے گئے ہیں، سپہ سالار ص۱۲

سپہ سالار کا بیان یہانتک ہے کہ حضرت خضر بھی باطنی طور پر اپنے علم لدنی سے مولینا کو فیض پہنچاتے رہے خود

مولانا فرماتے ہیں :-

"اول از خضرم بجملہ علم لدنی را یافتم"

اسی زمانہ سے دین کی رازدانی کا سلسلہ شروع ہو گیا،

والد ماجد کے انتقال کے بعد دوسروں کے اصرار پر تعلیم اور افتا کا سلسلہ شروع فرمایا، اور مسند علم پر

رونق افروز ہوئے، صاحب مناقب راوی ہیں کہ چار سو طلبہ کا ہجوم ہر وقت رہتا تھا، مثنوی کے مطالعہ سے صاف

ظاہر ہوتا ہے، کہ علوم مروجہ پر کسقدر تبحر اور عبور تھا، لیکن اس دفتر بے پایاں سے "دل کا چین" حاصل نہ ہو سکا، باطنی

طلب کی پیاس باقی رہی،

جوہر طینت آدم زخمیر دگراست، تو توقع زگل کوزہ گراں می داری،

بچپن ہی سے عالم غیب سے ربط اور مناسبت کے آثار ظاہر تھے لیکن مولینا نے پہلے حضرت سید برہان الدین

رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور نو سال تک اصلاح باطن میں مصروف رہے، اس کے علاوہ

قیام دمشق کے زمانہ میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمانی رومی، شیخ اوحد الدین

کرمانی اور شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت باسعادت رہی جس میں حقائق و معارف ہی کی گفتگو ہوتی تھی،

حضرت شمس سے ملاقات | حضرت شمس الدین محمد تبریزی بابا کمال الدین جندی رح کے مرید، اور صاحب کمال تھے،

شیخ فخر الدین عراقی حضرت شمس کے پیر بھائی، اور ساتھی تھے، خانقاہ میں عراقی کا یہ دستور تھا، کہ جن حقائق اور

معارف کا انکشاف ہوتا، اور جو احوال مقامات سلوک میں ان پر گذرتے، ان کو اشعار کا جامہ پہناتے اور شیخ

محترم کو سناتے، ایک دن شیخ موصوف نے حضرت شمس سے بھی فرمایش کی، کہ تم بھی اپنے حالات کو صورت نظم میں

پیش کرو، حضرت شمس نے اصطلاحی علوم اور شعر گوئی سے عدم واقفیت کا عذر فرمایا، حضرت بابا نے

پیشینگوئی فرمائی، کہ

"حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبے روزی کند کہ معارف وحقائق اولین وآخرین را بنام تو اظہار کند، وینابیع حکم از دل او برزبانش جاری شود، وبلباس حرف وصورت درآید، وطرز آن لباس بہ نام تو باشد"

(نفحات الانس جامی تذکرہ شمس الدین محمد بن ملک داد تبریزی)

خود حضرت شمس بھی اس کے متمنی تھے، کہ کوئی ایسا ہمراز ملجائے، جو میرے اسرار اور شدتِ حال کا متحمل ہوسکے، سپہ سالار کی روایت ہے کہ اس کے لئے حضرت شمس دعا فرماتے تھے، غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کی طرف جاؤ، ....

"مولانا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، در حال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف صحبت خواہی بطرف روم سفر کن، درحال ازان پائے متوجہ ولایت روم گشت وشہر بہ شہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ رسید"

(سپہ سالار در ذکر شمس الدین)

یہاں ایک عارفانہ مکالمہ ہوا اور دونوں میں حُبِ للہ کا ایسا تعلق قائم ہوا، کہ آج تک اس کا تذکرہ اور چرچا ہے، اس حقایق شناس کی صحبت سے مولانا نے درس وافتا کو ترک کر دیا، اور روز و شب شمس ہی کی خدمت میں رہنے لگے، اخبارِ رسول کا مشغلہ چھوڑ کر اسرارِ رسول ؐ سے لذت یاب ہونے لگے، خود فرمایا کرتے کہ علمائے ظاہر اخبارِ رسول سے واقف ہیں، اور مولینا شمس الدین اسرارِ رسول سے،

مناقب میں ہے، :-

"روزی مولانا فرمود کہ علماء ظاہر واقفِ اخبار رسول اند، وحضرت مولانا شمس الدین واقفِ اسرار رسول است"،

شمس تبریز توئی واقفِ اسرار رسول　　　نام شیرین تو ہر دل شدہ ورد ہر ماں باد

اس سے پہلے مولانا کچھ وطن کے ماحول، اور کچھ احتیاط کے مدنظر شعر سے مجتنب تھے لیکن اس صحبت کا ایک نیا رنگ یہ پیدا ہوا کہ مولانا نے سماع اور شعر گوئی کی طرف توجہ فرمائی، رفتہ رفتہ اس مشغلہ کی کثرت ہوئی افلاکی لکھتے ہیں:-

"دائماً اسرار و غزلیات می فرمود"

اس میں کچھ ذوقِ حال اور کچھ مصلحت شناسی کو دخل تھا، اس زمانہ میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا مسلمان شعر کی طرف متوجہ تھے، غزلیات اور مثنویات سے دلچسپی پیدا ہو گئی خصوصاً شاہنامہ فردوسی کا مطالعہ بہت ہوتا تھا، دینی معارف کی طرف لوگوں کی توجہ نہ رہتی تھی "عشقِ لیلیٰ" کا ذوق شعر نے عام کر دیا تھا لیکن "عشقِ مولیٰ" کا دلدادہ نہ ملتا تھا، مولانا نے پیرایۂ شعر اور "نالۂ نے" میں عشقِ حقیقی کا وہ صور پھونکا کہ آجتک مردہ دل انکے کلام سے زندہ ہو رہے ہیں، اسکی حقیقت خود یہ نقاب فرمائی ہے،

"مردم این ملک از عالمِ عشقِ مالک الملک قوی بے خبر بودند، چناں مشاہدہ کردیم کہ ہیچ نوع بطرفِ حق مائل نہ بودند، و از اسرارِ الٰہی محروم می ماندند، بطریقِ لطائف، سماع و شعرِ موزون، کہ طبائعِ مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را در خورِ ایشان دادیم، چہ مردمِ روم اہلِ طرب و زہرہ بیان بودند"

(مناقب العارفین در تذکرہ مولانا جلال الدین رومی)

تصانیفِ نظم میں مثنوی معنوی شہرۂ آفاق ہے، لیکن اس سے تقریباً دوگنے اشعار کا ایک دیوان ہے، یہ دیوان، دیوانِ شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، بالعموم انہی کا خیال کیا جاتا ہے، اگرچہ اہلِ علم و خبر اس حقیقتِ حال سے واقف ہیں، اس کے مختلف اسباب اور وجوہ دیباچہ میں بیان ہو چکے ہیں، ہم تاریخی شواہد اور داخلی دلائل سے اس غلط فہمی کا پردہ اٹھانا چاہتے ہیں، مباحث کا مفصل خاکہ دیباچہ میں درج کیا جا چکا ہے،

آغاز بحث

تاریخی شواہد اب ہم اپنی بحث کے پہلے جزو یعنی تاریخی شواہد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم پہلے متاخرین کے بیانات نقل کریں گے، پھر متقدمین کے،

تاریخی شہادتوں کی فراہمی میں مختلف مشکلات کا سامنا ہے، مولانا کے ہم عصر یا قریب العہد تذکرہ نویسوں کے تذکرے دستیاب نہیں ہوتے، تاہم استثنائی طور پر بعض اہم اور معتبر تذکرے اور دوسری نوعیت کی ایقان آفریں اور اطمینان بخش شہادتیں ملتی ہیں جن سے دعوی کا ثبوت ملتا ہے، البتہ متاخرین نے اپنے اپنے تذکروں میں مسلسل اس حقیقت کا اظہار کیا ہے،

علامہ شبلی کا بیان اس سلسلے میں سب سے پہلے ہندوستان کے مشہور مورخ اور ادیب فارسی شاعری کے جوہر شناس علامہ شبلی نعمانی کی شہادت نقل کرتے ہیں، آپنے علاوہ شعرالعجم کے سوانح عمری مولینا روم کے نام سے مولانائے معنوی کی ایک مبسوط سوانح لکھی ہے جس میں ایک مستقل باب کے تحت مولانا کی تصانیف پر بھی نقد و تبصرہ کیا ہے آپ فیہ ما فیہ کے مختصر تذکرہ کے بعد بعنوان "دیوان" تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس[۱] میں قریباً پچاس ہزار شعر ہیں، چونکہ غزلوں کے مقطع میں عموماً شمس تبریز کا نام ہے، اسلئے عوام اسکو شمس تبریز ہی کا دیوان سمجھتے ہیں، چنانچہ دیوان مطبوعہ کی لوح پر شمس تبریز ہی کا نام لکھا ہے لیکن یہ نہایت ہی فاش غلطی ہے، اولاً تو شمس تبریز کا نام تمام غزلوں میں اس حیثیت سے آیا ہے، کہ مرید اپنے پیر سے خطاب کر رہا ہے یا غائبانہ اسکے اوصاف بیان کرتا ہے،

دوسرے ریاض[۲] العارفین وغیرہ میں تصریح ہے، کہ مولانا نے شمس تبریز کے نام سے یہ دیوان لکھا، اس کے علاوہ اکثر شعرا نے مولینا کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں، اور مقطع میں تصریح کی ہے، کہ یہ غزل مولانا کی غزل کے

---

[۱] ص ۲۰۰، ۲۰۱، سوانح مولوی روم از شبلی حصہ دوم مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی، [۲] اس تذکرہ کا ذکر مولینا شبلی نے علاوہ سوانح مولینا روم کے شعرالعجم میں بھی کیا ہے لیکن افسوس کہ حیدرآباد میں اس کا کوئی نسخہ نہ ملا،؟

جواب میں ہے، اسکے ساتھ مولانا کی غزل کا پورا مصرعہ یا کوئی ٹکڑا اپنی غزل میں لے لیا ہے، یہ وہی غزلیں ہیں جو مولانا کے اس دیوان میں ملتی ہیں، جو شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، مثلاً علی حزینؒ کہتے ہیں،

این جواب غزل مرشد روم است کہ گفت　　من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر،

دوسرا مصرعہ مولینا کا ہے، چنانچہ اس کا پورا شعر یہ ہے،

من بہ کوئے تو خوشم خانۂ من ویران کن　　من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

حزین کی ایک اور غزل کا شعر ہے،۔

مطرب ز نوائے عارف روم　　این پردہ بزن کہ یار دیدم،،

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی شہادت، | انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی شہادت ہے،

جس واقعہ سے ان کی ذہنی اور اخلاقی زندگی سب سے زیادہ متاثر ہوئی، وہ صوفی شمس الدین تبریزیؒ سے ان کی ملاقات ہے،

اپنے رہبر طریق کی احسانمندی کا اعتراف مولینا نے بدین صورت کیا ہے، کہ اپنے کلام کا ایک بڑا حصہ ان کے نام موسوم فرمایا، ایک دیوان بھی ان کی تصنیف ہے۔[سلہ]

مذکورہ بالا افکار کا بڑا حصہ (A great part of his works) دیوان ہی ہے جو شمس تبریز کی طرف منسوب ہے، کیونکہ مثنوی تو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہی نہیں ہے،

پروفیسر براؤن کا بیان، | پروفیسر براؤن (E G Browne) اپنی مشہور عالم کتاب ایران کی ادبی تاریخ (سنہ ۱۹۰۶ء) (Literary History of Persia Vol II. P. 519) میں مولینا کی غزلیات کے متعلق لکھتے ہیں،

تخلص کی تحریر کے مطابق غزلیات سے متعلق جو دیوان شمس تبریز کے نام سے معروف ہیں، دولت شاہ کا یہ بیان ہے کہ یہ خاص طور پر حضرت شمس کے غیاب دمشق کے دوران میں لکھی گئیں لیکن رضا قلی خان کا قیاس یہ ہے کہ یہ مولانا کی یا

سلہ ۔۔ اڈیشن ج سلہ انسائیکلوپیڈیا، اور دیگر تذکروں میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے، کہ مولانا کا دیوان حضرت شمس تبریز سے منسوب ہو گیا، اس واقعہ کو اس پیرایہ میں لیا ہے،

میں لکھی گئیں لیکن نکلسن کا اپنا خیال جو غالباً صحیح ہے یہ ہے کہ دیوان کا ایک حصہ تو شمس تبریز کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہو اور ایک بڑے حصے کا زمانہ تصنیف مابعد کا ہے"[1]

نکلسن کا بیان: مندرجۂ بالا عبارت میں براؤن نے ڈاکٹر نکلسن کے حوالہ سے اس واقعہ کا اظہار کیا ہے لیکن ڈاکٹر نکلسن کا بیان ملاحظہ ہو جس میں ایک خاص انداز سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ مولینا کا دیوان شمس کے نام سے مشہور ہو گیا۔

"دیوان ہرگز شمس تبریز کے نام سے منسوب یا موسوم نہیں کیا گیا جبکہ غالباً اسکی تکمیل سے پہلے وصال ہو گیا پھر کس سبب سے انکا نام سرورق اور اکثر غزلیات کے مقطعوں میں پایا جاتا ہے وہ کون ہیں؟ اور جلال الدین رومی سے ان کا کیا ربط ہے[2]؟

کیوں کسی فردوسی اور حافظ کے مرتبہ کے شاعر کے عرفانی تغزل کا سہرا ایک غیر معروف درویش کے سر رہا"!

آتشکدۂ آذر: آتشکدۂ آذر[3] میں حاجی لطف علی بیگ آذر کہتے ہیں:۔

"در اکثر ابیاتِ عاشقانہ و عارفانہ کہ اسم شمس تبریزی بر دغرض شیخ شمس الدین تبریزیست کہ اصلش از خراسان بودہ و خود در تبریز متولد شدہ،

مثنوی اشعار بسیار دارد آنچہ بہ نظر فقیر قلیلی از آن را بزعم خود انتخاب کردہ بسمع دوستان میرساند" مثلاً

ایا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ

برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ
برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ

(آتشکدہ)
(دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۲۴ء)

نمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزو ست
بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزو ست

---

[1] مجمع الفصحا، رضا قلی خان مطبوعہ ایران ۱۲۹۵ھ ص۲۶ ۵۳ منتخب غزلیات دیوان شمس تبریز ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن کیمبرج ۱۸۹۸ء

[2] اس سے مراد یہ ہے کہ ارادۂ تکمیل کے بعد مولانا کی طرف سے حضرت شمس کے نام معنون نہیں کیا گئی۔ [3] آتشکدہ آذر ص۲۹۱ مؤلفہ حاجی لطف علی بیگ صاحب آذر مطبع فتح الکریم بمبئی ص۲۲۳ اخگر دوم شرارۂ اولیٰ،

بگشائی لب کہ قند فراوانم آرزوست	بگشای لب کہ قند فراوانم آرزوست
یکدست جام بادہ و یکدست زلف یار	یکدست جام بادہ و یکدست زلف یار
رقصی چنین میانۂ میدانم آرزوست	رقصی چنین میانۂ میدانم آرزوست
دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر	دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست	کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست ،
زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت	زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست	شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود ...... ما	گفتہ کہ یافت نیست کہ بس ...... ما
گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست	گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست
(آتشکدہ آذر)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ نولکشور)

عارفانہ اور عاشقانہ ابیات جنہیں مولانا نے حضرت شمس کا نام درج کیا ہے، دیوان کے اشعار ہیں، سوائے مثنوی کے دیگر "اشعار بسیار" سے مراد غزلیات ہی کے شعر ہیں جن کا مجموعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے ہمارے پیش نظر ہے، چنانچہ مثلاً جن اشعار کو حاجی صاحب نے درج فرمایا ہے، دیوان سے انہیں اشعار کو بالمقابل درج کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان مولانا روم ہی کے غزلیات و اشعار کا مجموعہ ہے،

خزینۃ الاصفیاء صاحب خزینۃ الاصفیاء[1] مولانا کی غزل گوئی اور حضرت شمس تبریز سے انکی محبت اور کلام میں انکی (طبع ۱۲۹۰ھ) محبت سرائی کے متعلق لکھتے ہیں،

"مولانا جلال الدین رومی صاحب مثنوی را کمال اعتقاد و یگانگت با وے بود و ہمیشہ با وے صحبت میداشت و در اشعار خود در اکثر جا ستائش وے کردہ اند"

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم مصنفہ غلام سرور مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۳ء ۱۲۹۰ھ صفحہ ۲۶۸

شیخ حسام الدین چلپی کے ذکر میں لکھتے ہیں :۔

"چون حسام الدین الٰہی نامہ حکیم سنائی و منطق الطیر فرید الدین عطار و مصیبت نامۂ وے مدید بخدمت مولوی عرض کرد کہ حالا غزلیات بسیار شد ند اگر بہ طرز الٰہی نامہ و منطق الطیر کتابے منظوم گردد، بر صفحۂ ہستی یادگار بماند"

ان بیانات سے مولانا کی کثرتِ غزل گوئی اور حضرت شمس کی ستایش کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، یہ ستایش دیوان شمس تبریزی میں پائی جاتی ہے۔

مجمع الفصحا [۱۲۸۴] مجمع الفصحا کا بیان نہایت واضح اور مفصل ہے۔

حضرت شمس کے حالات میں لکھتے ہیں :۔

"چون ملتجی شد بہ سیر و سیاحت رغبت فرمود، و بخدمت مشائخ رسید، ارادت بشیخ رکن الدین سنجاسی داشت، وی و شیخ فخر الدین ابراہیم ہمدانی متخلص بہ عراقی، شیخ از شمس پرسید کہ فرزند! تو توانی واردات خود را در صورت عبارت و الفاظ در آوردن"

وی گفت "مرا از علم صورت و نظم بہرہ نیست"

شیخ فرمود "خداوند بتو فرزند و مصاحبے روحانی خواہد داد کہ بسیارے از علوم اولین و آخرین بنام تو در روزگار از و باقی ماند پس بجانب روم رو حقیقت معلوم شود، و در آنجا ہم سوختۂ ہست آتش در او زن کہ عالم را روشن کند"

شمس کی سیاحت اور مولینا روم سے ملاقات اور اون کی عقیدتمندی کی تفصیل کے بعد لکھتے ہیں

"مولینا بنا بر ارادت دیوانی بنام شیخ تمام فرمود و این کہ تا اکنون بہ نظر رسید چہل و پنجاہ ہزار بیت اشعار است و بغایت نیکوست"

"چون مقصود مولانا بقائی نام جناب شیخ است اشعار خود را بنام او گفتہ با آنکہ شمس سوّر شاعر نبودہ

مولانا نے اپنے کلام میں اسرارِ شمس کی ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے مدحِ شمس بھی بڑی کثرت اور شدت سے کیگئی ہے، دیوانِ شمس کے مطالعہ سے یہ بات آئینہ ہوجاتی ہے،

بہارستان سخن شاہ نوازخان | عبدالرزاق خان خوافی المخاطب بہ شاہ نوازخان صمصام الدولہ اپنے تذکرہ امرا اہلِ سخن موسوم بہ بہارستانِ سخن[۵۱] میں لکھتے ہیں،

"دیوانِ فیض نشانِ وے کہ اکثر در فراقِ شمس الدین تبریزی است و نام شریف وے بطریق تخلص دراں درج کردہ سی ہزار بیت است، چند بیت از دیوان مولانا است

شرابِ شیشۂ انگور خواہم،	حریفِ سرخوش مخمور خواہم،
بیا نزدیکم اے ساقی کہ امروز،	من از خود خویشتن را دور خواہم"

دارا شکوہ ۱۰۴۹ھ | شاہزادہ محمد دارا شکوہ اپنے مشہور تذکرۂ صوفیہ "سفینۃ الاولیا"[۵۲] (سنہ تصنیف ۱۰۴۹ھ) بعنوان "در ذکر شمس تبریز" بیان کرتے ہیں،:-

"مولینا جلال الدین رومی را کمال یگانگی و محبتی با یشان بودہ و ہمیشہ با ہم صحبت میداشتند، و در اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "در اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند" کا مرجع صرف دیوان شمس تبریزی کی غزلیات ہیں، کیونکہ تقریباً ہر غزل میں حضرت شمس کی ستایش کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے، بلکہ اُسے حضرت شمس کا ستایشی دیوان کہا جائے تو بہتر ہے،:-

مرآۃ الاسرار عبدالرحمن چشتی ۱۰۴۵ھ | تذکرہ مرآۃ الاسرار[۵۳] میں عبدالرحمن چشتی صابری نے اس راز کو بخوبی بے نقاب

---

۵۱ قلمی نسخہ سنہ کتابت ۱۱۹۲ھ ص ۱۲۵، کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، شمس کا نام بطور تخلص درج نہیں ہے، بلکہ بطریق ممدوح ہوا

۵۲ سفینۃ الاولیا قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، ص ۱۵۹ ۵۳ تذکرہ مرآۃ الاسرار عبدالرحمن چشتی صابری ۱۰۴۵ھ قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

کیا ہے، صاحب تذکرہ تحریر فرماتے ہیں، کہ حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے حضرت شمس تبریزؒ سے فرمایا کہ "حق سبحانہٗ تعالیٰ ترا مصاحبی روزی کند، کہ معارف حقائقِ اولیں وآخرین را بنامِ تو اظہار کند و ینابیع حکمت از دلِ او بزبانش جاری شود، و بلباس حرف وصوت درآرد وطرز آن لباس نام تو باشد، چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است۔ (ص ۱۲۵)

یہ بیان کس قدر واضح ہے، حسب ذیل کلمات قابلِ غور ہیں،

۱۔ "معارف حقائقِ اولیں وآخرین را بنام تو اظہار کند"

۲۔ "طرز آن لباس بنام تو باشد"

۳۔ "چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است"

تصنیفات مولوی روم میں اس کا بہترین مصداق سوائے دیوانِ شمس تبریز کے اور کوئی کتاب نہیں ہے،

یہ پیشینگوئی کیونکر حرف بحرف پوری ہوئی ملاحظہ ہو،

مولانا کے حال میں لکھتے ہیں،

"کارا و بصحبت خواجہ شمس الدین تبریزی بکمال رسید، چنانکہ در دیوان خود اکثر جانسبت ارادت خود را بخدمت وے، درست می کند، ازان جملہ یک بیت اینست"

گرد عطار گشت مولینا، شربت از دست شمس بود نوش،

(دیکھو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف ش،)

صاحب تذکرہ مرآۃ الاسرار ذکر شمس تبریز کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، کہ

سلہ دیگر تذکرہ نویسوں نے یہ پیشینگوئی باباکمال الدین جندی سے منسوب کی ہے، (دیکھئے نفحات ذکر شمس) غالباً اس موقع پر صاحب تذکرہ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے،

"قیاس کنند کہ خواجہ شمس الدین از جملہ طالبان[۱] مولوی روم بودہ و ہرگاہ در مصنفات مولوی روم نگاہ میکنیم وی خود را از کمترین طالبان و مریدان خواجہ شمس الدین شمردہ است چنانکہ در دیوان اشعار وی چند جا ظاہر یافتہ می شود" از آن جملہ چند بیت،

تا آنکس ہر کہ مردہ از جمالش زندہ شد | گریہ ہائے وصل عالم از وصالش خندہ شد
آن خنک جائے کہ لطف شمس الدین بیافت | بر گذشت از نہ فلک بر لامکان باشندہ شد
چون شمس الدین نظیرے نیست این جا، | چون شمس الدین نباشد روئے خورشید"

مولانا کے فیض روحانی کے سرچشمہ کا اظہار کرتے ہوئے چند شعر نقل کئے ہیں، جو دیوان میں پائے جاتے ہیں،

"و ہم از اشعار وے ظاہر می شود کہ وے را فیض خاص بحسب روحانیت حضرت مصطفوی و مرتضوی تمام بودہ است چنانچہ از غلبہ شوق بسر وجد حال خود می فرماید، غزل،

زخلق احمد مختار مستیم، | زخلق احمد مختار مستیم
زمہر حیدر کرار مستیم، | ز بوے حیدر کرار مستیم
نسیمے یافتم از شمس تبریز، | نسیمے یافتم از شمس تبریز،
کہ من زان سالک اسرار مستیم" | کہ از آن سالک اسرار مستیم
(تذکرہ) | (کلیات شمس تبریز لکھنؤ)

طرائق الحقائق معصوم خان، آقا حاجی مرزا معصوم خان "طرائق الحقائق[۱]" میں بابا کمال الدین جندی کے ذکر میں لکھتے ہیں،:-

"اما بابا کمال جندی بشمس الدین تبریزی و از وی بمولی جلال الدین رومی نیز متصل می گردد چنانکہ گزشت در ذکر سلسلہ مولویہ و بعضے باین اشعار مولینا کہ در غزلیات فرمودہ استشہاد نمودہ نظر او

---

[۱] مرآۃ الاسرار ص ۲۰۰۲ [۱] طرائق الحقائق سنہ طباعت ۱۳۱۹ھ کتبخانہ آصفیہ ص ۱۵ جزو ثانی،

بہ نجم الدین بودہ"

حسب ذیل اشعار درج ہین، اور یہ دیوان میں پائے جاتے ہین،

دیوان	تذکرہ مذکور
ما ازان محتشانیم کہ ساغر گیرند	"ما ازان محتشانیم کہ ساغر گیرند،
نہ ازاں مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،	نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند
بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند	بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند"

(دیوان مطبوعہ لکھنؤ ردیف د)

حاشیہ نفحات الانس لاری ۹۰۹ھ. مولانا عبد الغفور لاری حضرت جامیؒ کے خادم اور ارادتمند ہین، اونھون نے حضرت جامیؒ کے صاحبزادہ مولانا یوسف کے ایماء سے تکمیل نفحات الانس کے طور پر ایک تذکرہ لکھا ہے، اس کا نام حاشیہ نفحات الانس ہے، تذکرہ کمیاب بلکہ نایاب ہے، ایک[1] قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے، صاحبِ حاشیہ نفحات مولانا روم کے حالات درج کرنے کے بعد حضرت شمس کے حال میں لکھتے ہین:

"چنانچہ مولینا تخلص بنام شیخ شمس الدین کردہ"

اس ایک حقیقت کی کہ دیوان شمس تبریز کلام شمس نہیں بلکہ مولانا کی غزلیات کا مجموعہ ہے مختلف تعبیرین ہماری نظر سے گذری ہین، اس حقیقت کی ایک تعبیر خاص یہ بیان بھی ہے،

ظاہر ہے کہ یہ بیان مثنوی معنوی سے متعلق تو نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا کوئی محل نہیں، مولانا کے کلام میں صرف مجموعہ غزلیات المعروف بہ دیوان شمس تبریزی ہے، جس پر یہ قول صادق آسکتا ہے، کیونکہ کثرت سے مقطع کے اندر بجائے اپنے تخلص کے مولینا شمس کا نام لاتے ہین لیکن اس انداز بیان سے جیسے

---

[1] سنہ تالیف ۹۰۹ھ قلمی، اس میں اوراق کا شمار ہے، ورق ۹۲،

عقیدتمند مرید اپنے مرشد طریق کا ذکر کرتا ہو مثلاً

شمس تبریز بما راہِ حقیقت بنمود، ما زفیضِ قدمِ اوست کہ ایمان داریم

نفحات الانس جامی ۸۸۳ھ | نفحات[1] الانس مولانائے روم کا مشہور تذکرۂ اولیاء ہے، حضرت جامی شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں، کہ جب کفار تاتار نے خوارزم پر حملہ کیا اور سلطان محمد خوارزم بھاگ نکلا تو کفار تاتار نے خیال کیا کہ وہ خوارزم میں ہے اسلئے داخل خوارزم ہوئے شیخ نے اپنے بعض احباب کو طلب کیا اور فرمایا،

"زود برخیزید و بہ بلا دِ خود روید کہ آتش از جانب مشرق برافروخت تا نزدیک بہ مغرب خواہد سوختن

این فتنہ ایست عظیم کہ درین امت مثل این واقع نشدہ است، بعض از اصحاب گفتند چہ شود،

اگر حضرت شیخ دعاے کند، شاید کہ این بلا از بلادِ مسلمانان مندفع شود، شیخ فرمود کہ این

قضائیست مبرم، دعا دفع نمی تواند کرد، پس اصحاب التماس کردند کہ چارپایان آمدہ است،

چنانچہ حضرت شیخ نیز با اصحاب موافقت کنند........ شیخ فرمود کہ من اینجا شہید خواہم شد

و مرا اذن نیست کہ بیرون روم"

چنانچہ حضرت موصوف نے کفار کے داخل ہونے پر بڑے استقلال سے مقابلہ فرمایا، تفصیل کیلئے

نفحات کا اصل صفحہ ملاحظہ ہو

"چون کفار بہ شہر در آمدند شیخ اصحاب باقی ماندہ را بخواند و گفت "قوموا باذن اللہ علی

اسم اللہ نعالی نقاتل فی سبیل اللہ" بخاند، در آمد و خرقہ خود را پوشیدہ و میان محکم بست

...... و بیرون آمد، چو با کفار متقابل شد...... کفار وی را تیرباران کردند، یک تیر بر سینہ

مبارک وے آمد، بیرون کشید و بینداخت، و بران برفت،

---

[1] نفحات الانس قلمی نمبرہ ۲۹، ورق، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، سنہ تصنیف ۸۸۳ھ مولفہ محمد عبدالرحمٰن جامی،

گویند کہ در وقت شہادت پرچم کافوری را گرفتہ بود، بعد از شہادت دہ کس نتوانستند کہ وی را از دستِ شیخ خلاص دہند"

خاص توجہ کے قابل مندرجۂ ذیل تحریر ہے :۔

"بعضے گفتہ اند حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ در غزلیاتِ خود اشارت باین قصہ وانتساب خود بحضرتِ شیخ کردہ آنجا کہ گفتہ است،

ما ازاں محتشمانیم کہ ساغر گیرند | ما ازاں محتشمانیم کہ ساغر گیرند
نہ ازاں مفلسگان کہ بز لاغر گیرند | نہ ازاں مفلسگاں کہ بز لاغر گیرند
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند | بیکے دست مئے خالص ایماں نوشند
بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند" | بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند"

(تذکرہ) | دیوان شمس تبریز (لکھنؤ ولیٹ د)

دولت شاہ سمرقندی ۸۹۲ھ،

تذکرۂ دولت شاہ[1] کا بیان ہے، کہ مولینا شمس الدین تبریزؔ اپنے شیخ کبیر رکن الدین سنجابی کے حکم سے رومؔ آئے، شہر قونیہ میں مولانائے رومؔ سے ملاقات ہوئی، جب کہ وہ اپنے معتقدین اور متعلمین کی ایک جماعت کیساتھ جا رہے تھے، حضرت شمس تبریزؔ نے از روئے فراست اپنے محبوب اور مطلوب کو پہچان لیا اور سوال کیا :۔

"غرض از مجاہدت وریاضت و تکرار و دانستن علم چیست؟"

مولانا نے جواب میں کہا :۔

"روشِ سنت و آدابِ شریعت؛"

حضرت شمس نے کہا :۔

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ مصحح براؤن مطبوعہ بریل لیڈن سنہ تصنیف ۸۹۲ھ،

اینہا ہمہ از روے ظاہر است"

مولانا نے دریافت فرمایا،۔

"ورائے این چیست"

شمس عرفان نے اس پر یوں ضیا پاشی فرمائی،۔

"علم آنست کہ بہ معلوم رسی"

اور سنائی کا یہ شعر پڑھا،۔

علم کز تو ترا نہ بستاند، جہل از آن علم بہ بود بسیار،

تذکرہ کے مطابق مولینا جواب سے متحیر ہوئے، اور حضرت شمس کی صحبت اختیار فرمائی، واقعات وحالات کچھ اس نوعیت کے درپیش ہوئے، کہ حضرت شمس شام کی طرف روانہ ہوگئے، مولانا حالتِ فراق سے نہایت مضطرب اور بے چین ہوئے، اس حالتِ جوش میں کثرت سے غزل فرماتے جن میں شمس کی مدح وتعریف اور ان کے فیض اور اپنی بے چینی اور تڑپ کا اظہار ہوتا،

"شمس الدین عزیمت شام نمود... و در آرزوے او مولینا می سوخت و قوالان را می فرمود تا سرود عاشقانہ می گفتند، شب و روز بہ سماع مشغول بودند، واکثر غزلیات کہ در دیوان مولانا مسطور است، در فراق شمس الدین گفتہ است"...... و از معارف مولانا ست بنام شمس الدین این غزل،

آنا کہ بسر در طلب کعبہ دویدند، چون عاقبۃ الامر بہ مقصود رسیدند،

مدینۃ العلوم از نیتی قلمی ۸۹۲ھ، | از نیتی رومی مدینۃ العلوم میں زیرِ عنوان مولانا رومی رقمطراز ہیں،

سلہ از نیتی خود رومی ہیں اور محمود بن محمد بن قاضی تمادہ رومی کا شاگرد و وفات (۸۹۲ھ) سلہ قلمی ص۴۷ کتبخانہ حکیم عبدالحبیب صاحب مرحوم دیبائی

نوٹ:- مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا مدیر صدق کے ہم اس نیز گرانہ عنایت کیلئے ان ہر دو حضرات کے ممنون ہیں،

ومن علماء الحنفية الشيخ جلال الدين القولى وهو محمد بن محمد بن حسين بن احمد ينتهي الى ابي بكر الصديق كان عالما بالمذهب واسع الفقه عالماً بالخلاف وانواع العلوم ثم ان الشيخ جلال الدين انقطع وتجرد، ترك التصنيف والاشتغال وسبب ذلك انه كان جالساً في بيته وحوله الكتب والطلبة فدخل عليه الشيخ شمس التبريزي فسلم وجلس وقال للشيخ ما هذا واشار الى الكتب والحالة التي هو عليها فقال له مولينا جلال الدين هذا لا تعرفه، فما وقع الشيخ جلال الدين من هذا اللفظ الا والنار وقعت في البيت والكتب فقال مولانا جلال الدين للتبريزي، ما هذا، فقال هذا لا تعرفه ثم قام وخرج من

علمائے حنفیہ سے ایک شیخ جلال الدین قونوی بھی ہیں، ان کا نسب محمد بن محمد بن حسین بن احمد کے سلسلہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے، مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے تھے، انہیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا۔ . . پھر انقطاعِ تعلق اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا یہ ہوا کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے اطراف کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا کہ حضرت شیخ شمس تبریزی بھی تشریف فرما ہوئے، اسلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ رومیؒ سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا جلال الدین نے جواب دیا کہ آپ ان چیزوں کو نہیں جانتے؛ مولانا رومی ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولینا جلال الدینؒ نے شیخ تبریزی سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے

عند لا شرح السبع جلال الدین
علی هذا السر ماسا وترك الاولاد
والخشم والمدرسة وساح
فی البلاد وذکر اشعاراً کثیرة

ص ۲۰۸

فرمایا تم اسے نہیں سمجھ سکتے پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ جلال الدین نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی اور اولاد، حشم، خدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کرلیا، مختلف شہروں کی سیاحت فرمائی، اور بکثرت

ملاقات اور اسکی تفصیل کے متعلق ازنیقی کی روایت مشکوک ہے، کیونکہ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں البتہ آخری جملہ اہم ہے، کیونکہ دیگر معتبر روایات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے، اور یہی ہمارے موضوع سے متعلق ہے، سبب یہ ہے کہ مولینا حضرت شمس کی جدائی سے نہایت مضطرب الحال تھے، اور کثرت سے اس حال میں اشعار لکھے ہیں، جو دردِ فراق و جوشِ اضطراب کے ترجمان ہیں، اور دیوان میں اکثر پائے جاتے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام مولینا کا ہے، مثلاً:۔

ہجرِ شمس میں مولانا کی آنکھ خونریز ہوگئی ہے:۔

زبے چشم مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی | زہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی

مولانا شب و روز شمس ہی کی جستجو میں بے قرار رہتے ہیں:۔

اندر طلب تو شمس تبریز، | تا کشفِ شود ہمہ معانی،

اپنے خونِ جگر کو صورتِ شعر میں ظاہر کرتے تھے،

خون میچو شد نقش از شعر رنگے می دہم | تا نہ خون آلود گردد جامہ خون آلائیے

مدینۃ العلوم کی شہادت کا ماخذ ایک اور مشہور عربی تذکرہ الجواہر المضیہ[1] فی طبقات الحنفیہ ہے، اس کا مؤلف مولینا کا قریب العہد تذکرہ نویس ہے، کچھ حصہ حذف کرکے تقریباً لفظاً اس

الجواہر المضیہ ابن عبد القادر قبل ۷۷۵ھ

[1] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ جزء ثانی ص ۱۲۳، ۱۲۴۔ ۵ – از تالیف شیخ الامام محدث محی الدین ابی محمد عبد القادر

تذکرہ سے یہ بیان اخذ کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو اس میں بہ عنوان رومی یہ عبارت درج ہے،

كان عالما بالمذهب واسع الفقه	مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے
عالما بالخلاف وبانواع من العلوم	تھے، انھیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم
مات فی خامس جمادی الاخرة	میں تبحر حاصل تھا...... ۶۷۲ھ میں واصل
سنة اثنتين وسبعين وست مائة	بحق ہوئے، انھوں نے انقطاع تعلق یکسوئی
عمران الشیخ جلال الدین انقطع	اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر
وتجرد وهام وترك الدنيا والتصنيف	مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا یہ ہوا
والاشتغال وسبب ذلك انه كان	کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان
یوما جالسا فی بیته، وحوله الکتب	کے اطراف میں کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا،
والطلبة فدخل علیه الشیخ شمس الدین	حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما
التبریزی الامام الصالح المشهور	ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ رومی سے
فسلم وجلس وقال للشیخ ما هذا	سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف
واشار الی الکتب والحالة التی	اشارہ کرکے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا
هو علیها فقال له مولانا جلال	جلال الدین نے جواب دیا، کہ آپ ان
الدین. هذا لا تعرفه. فما فرغ	چیزوں کو نہیں جانتے، مولینائے رومی
الشیخ جلال الدین من هذا	ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے
اللفظ الا والنار عمالة فی البیت	کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) ابن ابی الوفا محمد قرشی حنفی مصری (ولادت ۶۹۶ھ وفات ۷۷۵ھ) یہ مولانا کے قریب العہد تذکرہ نویس ہیں، کیونکہ مولانا کا وصال ۶۷۲ھ میں ہوا، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

والکتب فقال مولانا جلال الدین للتبریزی ماھذا فقال لہ التبریزی ھذا لا نعرفہ ثم قام وخرج من عندہ فخرج الشیخ جلال الدین علی قدمہ التجرید وترک اولادہ وحشمہ ومدرستہ وساح فی البلاد وذکر اشعار کثیرۃ،

جلال الدین نے شیخ تبریزی سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم اسے نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور وہاں سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ جلال الدین نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی اور اولاد، حشم وخدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کرلیا، مختلف شہروں کی سیاحت فرماتے، اور کثرت

یہاں بھی قابلِ توجہ یہی امر ہے، کہ مولینا شمس الدین کی جدائی کے بعد بے انتہا مضطرب ہوئے، اور اس مضطربانہ حال میں کثرت سے اشعار فرماتے رہے، (وذکر اشعار کثیرۃ) دیوان شمس تبریز میں کثرت سے ایسے اشعار ملتے ہیں، جس میں "دیوانہ روئے شمس" نے شمس کی جدائی اور فراق کے صدمہ کا طرح طرح سے ذکر کیا ہے، یہ کھلی دلیل ہے کہ یہ اشعار یا یہ مجموعۂ کلام شمس کا نہیں، بلکہ شمس کے واحد معلوم ومشہور عاشق مولینا کا ہے، چنانچہ اشعار ملاحظہ ہوں تاکہ واقعاتِ حیات سے انکی مطابقت ہوجائے،

جانِ ما را باز بین اے خواجہ شمس دین ۔۔۔ زان کہ ما ہستیم و عالم جملگی در کار مست

حضرت شمس کی واپسی کے خیال پر سرور کا اظہار فرماتے ہیں، :-

چو باز آید بسوئے من ز تبریز ۔۔۔ ازان حضرت رخش چو ماہتاب است

اس سلسلے میں ساقی سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں :-

مکن تاخیر از بہر (کبابے) شرابے[1] ۔۔۔ کہ دلہا در فراق او کباب است

بعض تذکرے ایسے ہیں کہ ان میں کوئی واضح بیان تو موجود نہیں، لیکن صرف بطور نمونہ

[1] غالباً شرابے ہوگا،

بعض اشعار درج ہیں،

مولینا کے حالات میں لکھا ہو کہ جب سلطان العلما بہاء الدین وطن چھوڑ کر جانے لگے، تو دوران سفر میں حضرت شیخ عطار سے ملاقات ہوئی، مولینا کم عمر تھے لیکن شیخ عطار نے اپنی کتاب "اسرار نامہ" تحفہ دی، اور مولینا سے فرمایا:-

روزے[1] باشد کہ این پسر آتش در سوختان عالم بزند"

مولانا نے سنائیؒ اور عطارؒ سے معنوی اور ادبی فیض پایا جس کا مختلف مقامات میں ذکر فرماتے ہیں، مثلاً:- ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پے سنائی و عطار آمدیم،

مولوی محمد قیام الدین عرف قاضی خان اپنے تذکرہ حقائق[2] الاولیاء (۱۲۵۱ھ) میں مولینا پر حضرت عطار کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:-

"این روایت از کلام فصاحت انجام ایشان ظاہر می گردد کہ فرمودہ اند" بیت،

گر عطار گشت مولینا شربت از دست شمس بودش نوش

(دیوان شمس تبریز نولکشور، ردیف ش)

اس سلسلہ میں دوسرا تذکرہ ہفت[3] اقلیم (۱۰۲۰ھ) ہے جس کے مؤلف امین احمد رازی ہیں بعنوان "در ذکر مولینا" انھوں نے مندرجہ ذیل تمہید کیساتھ اشعار درج کئے ہیں،

"بیتے چند جہت انبساط خاطر افسردہ دلان واندمال جراحت خستگان آوردہ شد"

دیوان	تذکرہ
اے شاہ جسم و جان ماخندہ کن دندان ما	اے شاہ جسم و جان ماخندہ کن دندان ما

[1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی [2] قلمی نسخہ ۱۲۵۱ھ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن [3] ہفت اقلیم و اقلیم چہارم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سنہ تصنیف ۱۰۲۰ھ ص ۲۲۳،

سرمہ کش چشمان ما اے چشمہا را توتیا — سرمہ کش چشمان ما اے چشمہا را توتیا

ما گوئی سرگردان تو اندر خم چوگان تو — ما گوئی سرگردان تو اندر خم چوگان تو

گو خوانیش سوے طرب گر رانیش سوے بلا — گر خوانیش سوے طرب گر رانیش سوے بلا

آیا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ — ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ

برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ — برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ

بنمائے ارخ کہ باغ و گلستانم آرزوست — بنمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

تا نفس خیال دوست باماست ، — یک نقش خیال دوست باماست ،

مارا ہمہ عمر خود تماشاست ، — مارا ہمہ عمر خود تماشاست ،

ان کے علاوہ اور بھی اشعار ہیں، لیکن دیوان کے موجودہ نسخوں میں نہیں پائے جاتے، جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے تذکرہ کے یہ اشعار مولانائے روم کے "دیوان شمس" میں پائے جاتے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولانا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مرآۃ الخیال (۱۱۰۲ھ) سے ہمارے دعوے کی حقیقت بالکل آئینہ بن جاتی ہے، اسکے مؤلف تذکرہ شیر خان لودھی میں "عنوان رومی" کے تحت لکھتے ہیں :-

ومن اشعارہ اللطیفۃ القدسیۃ

تذکرہ	دیوان
اے شاہ جسم و جان ما خندان کن دندان ما	سرمہ کش چشمان ما اے چشم جان را توتیا
	اے شاہ جسم و جان ما خندان کن دندان ما
	سرمہ کش چشمان ما اے چشم جان را توتیا
ما گوئی سرگردان تو اندر خم چوگان تو	ما گوئی سرگردان تو اندر خم چوگان تو

گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا ‖ گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا
گہ جانب خوابش کشی گہ سوے آسایش کشی ‖ گہ جانب خوابش کشی گہ سوی آسایش کشی
گہ جانب شہر بقا گہ جانب دشت فنا" ‖ گہ جانب شہر بقا گہ جانب دشت فنا
(تذکرہ مراۃ الخیال) ‖ (دیوان شمس تبریزی لکھنؤ)

بعض اشعار ایسے ہیں جنھیں مختلف تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں میں درج کیا ہے یہ غزل بھی انکی ایک مثال ہے ہفت اقلیم میں بھی یہ اشعار ہیں اگرچہ مختلف اصحاب نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اشعار انتخاب کئے ہیں، یہ بھی ایک دلیل ہے، جو ہمارے اس دعوی کو ثابت کرتی ہے، کہ "دیوان شمس تبریز" درحقیقت مولینا ہی کے مجموعۂ کلام کا نام ہے،

ابتک ہم نے جو بحث اوپر کی، وہ دو طرح کی تھی، ایک تو یہ کہ اولیائے کرام اور شعراء کے تذکرہ نویسوں کے واضح اور صاف بیانات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا ہی کے کلام کا مجموعہ ہے؛ دوسری یہ کہ بعض تذکروں میں اسکی وضاحت تو نہیں لیکن انھوں نے عنوان رومی اور ذکر رومی کے تحت مثالاً چند شعر لکھدیئے ہیں، جنھے یہ اشعار دواوین سے منتخب کرکے بالمقابل درج کر دئے یہ بھی ہماری دعوی کی ایک خاص دلیل تھی، لیکن یہ شعراء اور اولیاء کے عام تذکرے تھے، اب ہم مولینا روم کے خاص حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو انہی کے وابستگان دامن سعادت نے لکھے ہیں، انمیں کہیں اس نوعیت کا بیان تو نہیں ہے کہ مولینا نے اشعار حضرت شمس کے نام سے لکھے ہیں، کیونکہ یہ دراصل واقعہ ہی نہ تھا، مولینا شمس کے نام سے نہیں لکھتے تھے؛ بلکہ حضرت شمس کا ذکر مختلف طریقوں سے کرتے تھے، اور انکے اسرار کی ترجمانی فرماتے تھے، اسکے علاوہ دیگر شعراء کی طرح غزل میں اپنا تخلص لکھنے کا کوئی خیال تھا نہ اہتمام، صرف انہی اسباب سے یہ کلام بعد میں حضرت شمس کی طرف منسوب ہو گیا اور دیوان جو بعد کو مرتب ہوا، اور مدت دراز کے بعد طبع ہوا، دیوان شمس تبریز کے نام سے شائع ہوا، اور غلط فہمی بھی عام ہوئی البتہ ان تذکرہ نویسوں نے مولینا کی غزل گوئی کا تذکرہ خوب کیا ہے اور کثرت سے

اپنے تذکرہ میں مولانا کی مثنوی اور غزلیات کے اشعار درج کئے ہیں ہم آگے چل کر ہم ان اہم تذکروں کے اشعار ذیل میں درج کرینگے، اور انکے مقابل دیوان کے اشعار لکھدینگے جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے اشعار ہی کا مجموعہ ہے،

دو خاص دلائل، ہمنے ابھی بیان کیا کہ اس بحث کے متعلق ان تذکروں میں کوئی واضح بیان نہیں، ان اہل صحبت تذکرہ نویسوں کا اس مسئلہ میں خاموش ہونا ہی اس دعوی کی ایک ضمنی شہادت ہے کہ اس عہد میں یہ خطرہ ہی محسوس نہ ہوا تھا کہ کبھی یہ کلام حضرت شمس کا سمجھا جائیگا، کیونکہ وہ صاف دیکھتے تھے کہ اسمیں تو حضرت شمس کی مدح اور انکا مخلصانہ تذکرہ ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور تشریح کرتے کہ یہ دیوان شمس کا نہیں بلکہ مولینا کا ہے، وہ مولینا کے دیوان کو مولینا ہی کا سمجھتے رہے، اور کوئی دوسرا وہم انکے سامنے نہ تھا،

دوسرا پہلو خاص توجہ کا مستحق ہے وہ یہ ہے کہ افلاکی[1] سپہ سالار اور سلطان ولد وغیرہ نے اپنے اپنے تذکروں اور کتابوں میں مولینائے روم اور ان سے متعلق بزرگان دین کے احوال تفصیل سے لکھے ہیں، ان لوگوں نے نہ صرف انکے حالات بلکہ مناقب و مدارج بھی بیان کئے ہیں،

نہیں جو شعراء تھے انکے مشغلہ شعر کا ذکر کیا ہے چنانچہ مولینائے روم اور سلطان ولد کے حال میں انکی شاعری کا تفصیلی ذکر ہے، ان کے ہر قسم کے اشعار موقع بموقع درج کئے ہیں اسی طرح شمس کا بھی حال لکھا ہے اور ایک مستقل باب باندھا ہے[2] لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے حضرت شمس کی شاعری کا ذکر تک نہیں کیا، حالانکہ تذکرہ نویسوں میں سلطان ولد اور سپہ سالار بھی ہیں جو حضرت شمس کے دیکھنے والے انکے حالات سے واقف اور انکے معتقد اور کمالات کے معترف ہیں اگر حضرت شمس شاعر ہوتے تو وہ ضرور اسکا تذکرہ کرتے اور جیسے اونھوں نے دوسروں کے حالات میں کیا ہے انکے اشعار درج کرتے یہ ممکن نہیں کہ شمس اسقدر پرگو شاعر ہوں جیسے دیوان سے ظاہر ہوتا ہے اور خاص معتقد تذکرہ نویس اسکا ذکر تک نہ کریں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شمس شاعر ہی نہ تھے اور انکا کوئی کلام نہ تھا، جو کلام ان کی طرف منسوب ہو گیا ہے وہ مولینائے روم ہی کا ہے کیونکہ انکے اشعار مختلف طور پر تذکروں میں ہیں، جو دیوان شمس تبریز میں بھی ملتے ہیں،

[1] مناقب العارفین [2] سپہ سالار ذکر خلفاء حضرت شمس،

مناقب العارفین کی شہادت، اس سلسلہ کو ہم مناقب العارفین[1] (۷۵۴ھ) سے شروع کرتے ہین، اسکے مصنف شمس الدین افلاکی ہین، جو دو واسطون سے مولانا کے سلسلہ میں شامل ہوتے ہیں یعنی یہ چلپی عارف کے مرید اور مولانائے روم کے دیکھنے والے اور صحبت یافتہ ہین، سنہ تالیف ۷۵۴ھ ہے، افلاکی نے اس تذکرہ مین مختلف مواقع پر مولینا کے اشعار لکھے ہین، بعض مقامات پر اسکی صراحت ہی، اور بعض مقامات پر اشعار کی تصریح درج ہی، اشعار مثنوی کے بھی ہین، اور غزلیات کے بھی مثلاً مثنوی کے اشعار یہ ہین،

از خدا خواہیم توفیق ادب، بے ادب محروم گشت از فضلِ رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد، بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد،

لکھتے ہین،،

"روزے در معنی این بیت معرفت می فرمود"

چون چنین خواہد خدا خواہد چنین، می دہد حق آرزوے متقین،
ہمنشین مقبلان چو کیمیاست، چون نظر شان کیمیائی خود کجاست،
آن دلے کز آسمانہا برتر است، آن دلے ابدال یا پیغمبر است،
مسجدے کان در درون اولیاست، سجدہ گاہ جملہ است آنجا خداست،

دست را مسپار جز در دستِ پیر، حق شدست آن دست او را سخت گیر
ہر کہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،
گر نہ بودی نوح را از حق یدی، او جہانے را چرا برہم زدی،
معنی قرآن ز قرآن پرس بس، وز کسی کاتش زدست اندر ہوس،
گرچہ قرآن از لب پیغمبر است، ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر است

---

[1] مناقب العارفین سنہ تالیف ۷۵۴ھ،

خاصہ آن آواز از خود شہ بود	گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
نے حدیث راہ پر خون می کند	قصہ ہائے درد مجنوں می کند
باکہ گویم چون ندارد گوش جان	ہر گوش است اے امیر این خوش بیان
من شدم عریان زمن او از خیال	می خرامم در نہایات الوصال
ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا	کل شئی ہالک نبود جزا

(ص ۳۰۲)

اسی طرح مختلف مقامات پر غزلیات کے اشعار بھی لکھے ہیں، ذیل میں ایک طرف یہ اشعار مع تصریح محل بیان تذکرہ سے درج کئے جاتے ہیں، اس کے مقابل دیوان سے اشعار لکھے جاتے ہیں جس سے صاف طور پر اس امر کی شہادت ملجائے گی، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، نسخون[1] کے اختلاف کو بھی نمایان کر دیا گیا ہے،

مناقب العارفین[2]	دیوان شمس تبریز
جزو در ویشند جملہ نیک و بد	جزو در ویشند جملہ نیک و بد
(ص ۱۱۵) ہر کہ نبود او چنین درویش نیست	گر نباشد این چنین درویش نیست
	(کلیات شمس تبریز مطبع نولکشور ص ۱۵۹)
ہیچ می دانی چہ می گوید رباب	ہیچ می دانی چہ می گوید رباب
(ص ق ۱۱۵) ز اشک چشم و در جگر ہائے کباب	ز اشک چشم وز جگر ہائے کباب
	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنو ص ۱۰)

[1] ن سے مراد نسخون کا اختلاف ہے، بعض جگہ یہ اختلاف نسخون کا نہیں، بلکہ کتابت اور خرابی طباعت سے پیدا ہو گیا ہے، [2] تذکرہ مناقب کے بھی کئی نسخے میرے پیش نظر ہے، اور یہ سب کتبخانہ آصفیہ کے ہیں

صاحبِ مناقب[۱۵] لکھتے ہیں کہ مجلسِ سماع میں مولینا نے یہ غزل پڑھی،

مرا اگر تو ندانی بپرس از شبہا   چو عشق را تو ندانی بپرس از شبہا

قام ص۱۲۳   بپرس از رخِ زرد و زخشکیِ لبہا   بپرس از رخ زرد و زخشکیِ لبہا (ک ۸۸)

ایک رات مولینا نے شیخ بدر الدین تبریزی کیمیا ساز کو ہدایت فرمائی کہ کوشش کرو کہ وجود کا تانبا سونا ہو جائے، بلکہ گوہر اور وہ بھی باعظمت! پھر یہ شعر پڑھا،

عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند   عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند

گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری   گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری

(م ق ص ۱۳۰)   (ک ۸۶۸)

بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم،   بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم

ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،   ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،

چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی   چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی

من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم   من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم

(م ص ۱۲۱)   (ک ۵۷۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) ایک قلمی نسخہ ہے، ایک اردو ترجمۂ مناقب بھی ہے، ایک آگرہ کا مطبوعہ فارسی نسخہ ہے، میں نے اشعار زیادہ تر اسی آخری فارسی نسخے سے منتخب کئے ہیں لیکن ابتدا میں چند اشعار قلمی نسخہ اور ترجمہ سے بھی لئے گئے ہیں، چونکہ اشعار کے متعلق ماخذ کا حوالہ دینا ضروری ہے، اسلئے ہر جگہ نام کا تفصیلی اندراج طولِ عمل ہے، اس وجہ سے میں نے خاص نشانات سے کام لیا ہے جسے یہاں درج کئے دیتا ہوں، "ق م" سے مراد قلمی نسخۂ مناقب ہے، اور صرف "م" سے مراد مناقب فارسی مطبوعہ نسخہ آگرہ ہے، سنہ طباعت ۱۸۹۷ء اسی طرح مقابل میں "د" سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ہے، اور "ک" سے مراد کلیات شمس تبریز نسخہ مطبوعہ منشی نولکشور ہے، "ص" سے مراد صفحہ ہے، انکے علاوہ اور نسخوں سے اشعار لئے گئے ہیں، تو ان کا تفصیلی حال درج کر دیا جائے گا،

۱۵ اشعار کے محلِ وقوع کے متعلق سارے تشریحات مناقب ہی سے لئے گئے ہیں،

ما قصرِ چار طاق درین عرصۂ فنا،	ما قصرِ چار طاق دریں عرصۂ فنا،
چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،	چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،
جز صدرو قصرِ عشق دران ساحتِ خلود	جز صدرو قصرِ عشق دران ساحتِ خلود
چون نوح چون خلیل موسس نمی کنم	چون نوح چون خلیل موسس نمیکنم
(م ص ۱۴۳)	(ک ۵۶۶)

ایک خادم نے عرض کی کہ عجیب بات ہے کہ اس روز آپ باجوخان کے لشکر سے نہیں ڈرے فرمایا خداوندگار ما رسول اللہ علیہ وسلم پہلوان عظیم بودہ است .... پھر یہ قصیدہ پڑھا،

مناقب العارفین	دیوان شمس تبریز
من این ایوان نہ تو را نمیدانم،	من آن افلاک نہ تو را نمیدانم
من این نقاش جا دو را نمیدانم	من این نقاش جا دو را نمیدانم
بدستم بر یتقے آمد ازان خان ہمہ خانان	بدستم بر یتقے آمد ازان خان ہمہ خانان
من این ماجود با تو را نمیدانم	کہ من خود خان بجز او را نمیدانم
(م ص ۱۵۶)	(د ص ۱۳۲،۱۳۳)

اہم روایت، "اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ملک ملک شیراز بود رقعہ بخدمت اعذب الکلام شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلے غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد، ازان ہر کہ باشد بفرستی تا غذاے جانِ خود سازم شیخ سعدیؒ غزلِ نو ازان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند و خلق بکلی ربودۂ آن شدہ بنوشت و ارسال کرد، و آن غزل اینست"،

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست	ہر نفس آواز عشق می رسد از چپ و راست

مابفلک می رویم عزم تماشا کراست	مابفلک می رویم عزم تماشا کراست
مابفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم	مابفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم
باز ہمانجا رویم کہ آن شہر ماست	باز ہمانجا رویم کہ آن شہر ماست
ماز فلک برتریم وز ملک افزون تریم	خود زفلک برتریم وز ملک افزون تریم
زین دو چرا نگذریم منزل ما کبریاست	زین دو چرا نگذریم منزلِ ما کبریاست
(الی آخرہ ص ۱۵۰-۱۵۹)	(دیوان ص ۹۳ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)

شبے بہ فخر النسا (ان کا ارادہ حج کا تھا) فرمود کہ باین نگاہ کن کہ مقصود حاصل شدہ است.... می بیند کہ کعبۂ معظم بر بالائے مولانا طواف می کند..... فخر النسا شہقہ زد وچون بہوش آمد.. ہمانا حضرت مولانا این غزل را از سر نو آغاز فرمود؛

کعبہ طواف می کند بر سر کوئے یک بتے	کعبہ طواف می کند بر سرِ کوئے یک بتے
این چہ بتے ست ایخدا این چہ بلا و آفتے	این چہ بتے ست اے خدا این چہ بلا و آفتے
ماہ درست پیش او قرص شکستہ بستہ	ماہ درست پیشِ او قرص شکستہ بستہ
بر شکرش نبات ہا چون مگسے ست زحمتے	بر شکرش نبات ہا چون مگسے ست زحمتے
جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین	جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین
سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدا اے رحمتی	سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدا اے رحمتی
اہلِ ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف	اہلِ ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف
زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے	زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے
اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت	اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت
گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے	گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے
(ص ۱۷۱)	(ک ۸۸۴-۸۸۵)

اہم تنبیہ: مولینا کی غزلیات کے متعلق غلط فہمی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہو کہ اکثر غزلوں کے آخر میں عام طریقہ کے مطابق مولینا کا تخلص نہیں ہوتا، بلکہ اکثر شمس کا نام ہوتا ہے، لیکن یہ شبہہ اس غزل کو دیکھ کر بالکل رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ اس غزل کے مقطع میں بھی مولینا کا تخلص نہیں، بلکہ حضرت شمس ہی کا نام نامی ہے، لیکن ان کی مدح میں یہی حال دیوان کی اور غزلوں کا بھی ہے، لیکن صاحب تذکرہ نے تمہیداً تصریح کر دی ہے، کہ یہ غزل مولینا کی ہے، اور وہ کس موقع پر پڑھی گئی، اور کس طرح اس موقع پر فی البدیہہ کہی گئی، اس کی اور مثالیں ہیں، دیوان دیکھو تو اس میں بھی یہی رنگ ہو جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ مقطع غزل میں شمس کا نام ہونیکے باعث اس امر میں شبہہ نہ کرنا چاہیئے کہ وہ مولینا کا کلام نہیں،

لکھا ہے کہ ایک موقع پر اہلِ ارادت ساتھ تھے، مولینا کے طفیل ان پر پتھر جو ذکر تسبیح کرتے ہیں (سبوح قدوس) کا انکشاف ہوا، مولانا نے یہ غزل فرمائی، (م ۲۲۲)

مناقب العارفین	دیوان
دل چو دانہ ما مثالِ آسیا،	دل چو دانہ ما مثالِ آسیا،
آسیا کے داند ایں گردش چرا،	آسیا کے داند ایں گردش چرا،
تن چو سنگ و آب او اندیشہا	تن چو سنگ و آب او اندیشہا،
سنگ گوید آب داند ماجرا	سنگ گوید آب داند ماجرا
ماجرا بسیار خواہد شد خموش	ماجرا بسیار خواہد شد خموش،
از خدا وا پرس تا گوید ترا،	از خدا وا پرس تا گوید ترا،
(م ص ۲۲۲)	(ک ۱۰)

افلاکی ایک دن کا حال لکھتے ہیں "از پئے سماع شد و ایں غزل از سر آغاز کرد و گفت" (م ۲۵۱)

گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود　　گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود،

میان این دل و آن یار مے فروش چه بود
اگر بچشم بدیدی جمال ما همه دوش
مرا بگو که دران حلقهائے گوش چه بود
اگر تو با من هم خرقه و هم رازی
بگو که صورت آن شیخ خرقه پوش چه بود
اگر فقیری و نا گفته رازی شنوی
بگو اشارت آن ناطق خموش چه بود

(م ص ۲۵۲)

میان این دل و آن یار مے فروش چه بود
اگر بچشم بدیدی جمال او همه دوش
مرا بگو که دران حلقهاے گوش چه بود
وگر تو با من هم خرقه و هم رازی
بگو که صورت آن شیخ خرقه پوش چه بود
اگر فقیری و نا گفته رازی شنوی
بگو اشارت آن ناطق خموش چه بود

(ک ۳۱۹)

مولینا همین غزل را از سر آغاز فرمود،

صلا یا ایها العشاق کان مه رو بکار آمد
میان بندید عشرت را که یار اندر کنار آمد

(م ص ۲۹۳)

صلا یا ایها العشاق کان مه رو نگار آمد
میان بندید عشرت را که یار اندر کنار آمد

(ک ۳۰۶)

افلاکی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نے ایک ہفتہ چلہ کشی فرمائی اسکے بعد احوال دل کی ترجمانی فرمانے لگے، "از خزینۂ دل اسرار و معانی فرمودن گرفت و این غزل را از سر آغاز کرد"

باز آمدم باز آمدم تا وقت را همیون کنم
باز آمدم باز آمدم تا در دعشق افزون کنم
باز آمدم باز آمدم تا بهر بیماران دل
از اشک چشم و آه شب وز خون دل معجون کنم
باز آمدم باز آمدم تا سوز درد عشق را

باز آمدم باز آمدم تا وقت را همیون کنم
باز آمدم باز آمدم تا درد عشق افزون کنم
باز آمدم باز آمدم تا بهر بیماران دل
از اشک چشم و آه شب از خون دل معجون کنم
باز آمدم باز آمدم تا سوز و درد عشق را

در گوشہائے دل نہم در گنج سرمد خون کنم	در گوشہائے دل نہم در گنج سرمد خون کنم
(م ص ۱۹۸)	(دیوان شمس تبریز ص ۱۹۸)

ایک روز پروانہ کے مکان پر سماع کی محفل تھی، معین الدین پروانہ کچھ دیر آرام کی خاطر سو گئے، حضرت مولینا بیتاب تھے،

حضرت مولانا درحالت چرخی کہ چرخہ افلاک حیران چنان چرخ گشتہ بود، غزل از سر آغاز فرمود و گفت، (م ۳۲۷-۳۲۸)

گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود،	گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود،
ور بکوبی در ہجران چہ شود،	ور بکوبی در ہجران چہ شود،
ور بیاری شبکے روز آری،	ور بیاری شبکے روز آری،
از برائے دل یاران چہ شود	از برائے دل یاران چہ شود،
ور سلیمان سوے موران آمد	ور سلیمان سوے موران آمد،
تا شود مور سلیمان چہ شود،	تا شود مور سلیمان چہ شود،
ور دو دیدہ ترا روشن گردد،	ور دو دیدہ بتو روشن گردد،
کوریٔ دیدہ شیطان چہ شود،	کوری دیدہ شیطان چہ شود،
(م ۳۲۷-۳۲۸)	(ک ۲۹۶)

افلاکی حالت مرگ کے قریب کا حال لکھتے ہیں، کہ حضرت مولینا این غزل را از سر آغاز کردہ میگفت و جمیع اصحاب جامہ دران نعرہ زنان فریاد می کردند،

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم	چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم
رُخ زرین من منگر کہ پائے آہنیں دارم	رُخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم (باقی)
(م ۳۴۹)	(ک ۳۳۲)

ایک اہم روایت
اور
سپہ سالار کی شہادت

ایک اہم روایت | ایک اہم روایت ملاحظہ ہو:۔

"روزے مولانا فرمود کہ علماے ظاہر واقف اخبار رسول اند، وحضرت مولینا شمس الدین واقف اسرار رسول است"

شمس تبریزی تو ئی واقف اسرار رسول — شمس تبریزی تو ئی واقف اسرار رسول
نام شیرین تو ہر دل شدہ را درمان باد — نام شیرین تو درد ہمہ را درمان باد

اس شعر میں بھی خصوصیت یہ ہے، کہ حضرت شمس کا نام ہے لیکن بطرز خطاب، ایسا بھی ہوتا ہو کہ شاعر کبھی غیر فرض کرکے اپنے آپکو بھی مخاطب کرتا ہے، جسکو صنعت تجرید کہتے ہیں لیکن یہاں صورت حال ایسی نہیں ہو، کیونکہ تصریح موجود ہے کہ مولانا نے ایک دن حضرت شمس کی فضیلت ظاہر کرنیکے لئے یہ شعر فرمایا، ایسے ہی کثیر اشعار دیوان میں ہیں جنمیں حضرت شمس کو مختلف طریقہ سے مخاطب کیا گیا ہے، ان سے یہ سمجھنا کہ یہ حضرت شمس ہی کی شاعرانہ تعلی ہے، غلط ہے، پہلے تو ان کی نوعیت ہی ایسی نہیں، کیونکہ ان اشعار میں مدح کی نوعیت ایسی ہے جیسے کوئی دوسرا اپنے انتہا معتقد مدح کرتا ہے، دوسرے اشعار اس کثرت سے ہیں، کہ صرف شاعرانہ تعلی کے تحت کوئی شاعر اپنی مدح اس کثرت سے نہیں کرتا،

جب تذکرہ کا شعر دیوان میں بھی ملتا ہے، تو اس امر کی ایک قوی دلیل پیش نظر ہوگئی ہو، کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

مناقب کے صفحہ ۲۰۲ پر ہے:-

ریگ ز آب سیر شد من نہ شدم زہے زہے
لائق جز گمان من نیست درین جہان ہے

کوہ کمینہ لقمہ ام بحر کمینہ شربتم
من چہ نہنگم اے خدا باز کشا مراز ہے

ریگ ز آب سیر شد من نہ شدم زہے زہے
لائق جز گمان من نیست درین جہان ہے

کوہ کمینہ لقمہ ام بحر کمینہ شربتم
من چہ نہنگم اے خدا باز کشا مراز ہے

(ک - ۲۵۲)

رسالہ سپہ سالار کی شہادت، | اس نوعیت کی دوسری شہادت رسالہ سپہ سالار میں ملتی ہے، رسالہ سپہ سالار مولینا کے حالات کا اصلی اور صحیح ماخذ ہے، حضرت فریدون معروف بہ سپہ سالار مولینا کی صحبت میں چالیس برس تک رہے، اعتقاد و ارادت بجد رکھتے تھے، انہی کا بیان ہے "خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمت حضرت او مستغرق داشتم و نقش مہر و محبتش را کالنقش فی الحجر بر صحیفۂ دل خویش نگاشتم" اسلئے وہ لا محالہ انکے محرم راز اور واقف اسرار تھے، انھوں نے مولینا کے وصال مبارک کے بعد طالبان حال کے لئے یہ رسالہ لکھا تھا، رسالہ شہرۂ آفاق ہے، مولینا کے محامد اور مناقب میں اسے عدیم النظیر اور عدیم المثال سمجھا جاتا ہے، اس کے متعلق لکھا ہے:

"از تصانیف لطیفہ ...... سیدی فریدون معروف بہ سپہ سالار قدس سرہ کہ از مخلص مریدان کاشف اسرار ازلی و شارح رموز ابدی حضرت مولوی معنوی رضی اللہ عنہ ہستند و چہل سالہ شبانہ روز در سفر و حضر و خلوت و جلوت پیوستہ ملازم صحبت کیمیا خاصیت حضرت مولینا روح اللہ تعالیٰ روحہ ماندہ و خدمتہا کردہ و فیضہا بردہ، و مورد مراحم خاصہ و توجہات تامہ گشتہ و واقف اسرار و محرم راز بودہ اند، آنچہ از انفاس قدسی، و کلمات و طیبات و حالات سامیہ و کوائف عالیہ و کرامات باہرہ در آیات ظاہرہ حضرت معنوی علیہ الرحمۃ و الرضوان

---

[1] سپہ سالار ص۴ کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ، [2] رسالہ سپہ سالار مطبوعہ محمود المطابع واقع کانپور مطبوعہ ۱۳۱۹ھ

بگوش خود از زبان مبارکش شنیده و بلا واسطہ استفاضہ نمودہ و بچشم خود دیدہ و مشاہدہ کردہ و معاینہ نمودہ در سلک تحریر درآوردہ اند، و بر شتۂ تصویر سفینہ درین رسالہ جمع فرمودہ اند"

سپہ سالار کا بیان ہے کہ مولانا کے ایک مرید خاص نے اس کی تحریک کی، اسی بنا پر اونھوں نے چشم یقین کے مشاہدات کو قلمبند کیا، "بنا بر التماس[1] آن عزیز ہرچہ این ضعیف بعین الیقین مشاہدہ کردہ باشد و در ایام این ضعیف از ان حضرت بوجود آمدہ، از آنچہ در گوشۂ خاطرم ماندہ بود، در قلم آورد، (بیت)

دو شنیں سخن از دیدہ گوید، عامے سخن از شنیدہ گوید"

افلاکی کی طرح سپہ سالار کی بھی یہی عادت ہے، کہ انھون نے بکثرت مولینا کی مثنوی اور دیوان سے مختلف مقامات پر اشعار لکھے ہین، لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ تقریبًا ہر جگہ انھون نے تصریح کر دی ہے، ہم سپہ سالار اور دیوان کے منتخب اشعار بالمقابل درج کریں گے، تاکہ اس دعویٰ کے ثبوت مین شک کی کوئی گنجایش باقی نہ رہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کا کلام ہے، البتہ کثرت تکرار کے باعث تصریحات سوائے ضروری مقامات کے اور مقامات پر حذف کر دیئے جائین گے،

مثنوی کے مندرجہ اشعار میں سے چند شعر یہ ہین،

حضرت خداوندگار[2] می فرماید،

در پناہ جان جان بخشی توئی، خفتہ اندر کشتی و رہ میروی،

مگسل از پیغمبر ایام خویش، تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش،

چونکہ موسی رونق دور تو دید، کاندرو صبح تجلی می دمید،

[1] سپہ سالار ص محمود المطابع کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، [2] حضرت سپہ سالار اپنے مرشد طریق مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر "خداوندگار" کے لقب سے یاد کرتے ہین، چنانچہ مولینا کے حالات میں جو فصل ہے اسکا عنوان یہ ہے "فصل اول در ذکر تاریخ ولادت و مدت عمر قدس اللہ العزیز کہ حضرت خداوندگار سلطان الاولیا در شہور سنہ اربع و ستمائۃ ہجری قدم مبارک در عالم وجود نہاد"

ہر کرا اسرارِ کار آموختند   مُہر کردند و زبانش دوختند

غزلیات کے اشعار درج ذیل ہیں:-

سپہ سالار مولانا کے متعلق لکھتے ہیں: "بزبانِ خویش صفتِ حالِ خود بیان میفرماید"

رسالہ سپہ سالار	دیوان
بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد	بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد
اگرچہ پیر نماید بصورتِ بشری	اگرچہ پیر نماید بصورتِ بشری
(صلا سپہ سالار)	(کلیاتِ[1] شمس تبریز صفحہ ۹۶)
جانِ من و جانِ ترا بیش ازین،	جانِ من و جانِ ترا پیش ازین،
سابقہ بود کہ گشت آشنا،	سابقہ بد کہ شدند آشنا،
الفت امروز ازاں سابقہ است	الفت امروز ازان سابقہ است،
گرچہ فراموش شد آنہا ترا،	گرچہ فراموش شد آنہا ترا
(ص ۵)	(دیوان شمس تبریز لکھنؤ نسخہ ذاتی صفحہ ۲)

حضرت خداوندگار میفرماید:

رسالہ سپہ سالار	دیوان
اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ	اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ
گر ظن نیک داری بر اولیا چہ باشد	گر ظن نیک داری بر اولیا چہ باشد
(ص ۱۵)	(ک ۳۱۴)
یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم	یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم،

[1] ک سے مراد کلیات شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ہوگی، (د) سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۱۴ء۔

تا علم بدادیم بمعلوم رسیدیم	تا علم بدادیم و بمعلوم رسیدیم
با آیت کرسی سوئی عرش پریدیم	با آیت کرسی سوے عرش پریدیم،
(ص۱۱) تاحے بدیدیم و بقیوم رسیدیم	تاحے بدیدیم و بقیوم رسیدیم، (د۔ ص۲۰۴)

ندارد پائے عشق او دل بے دست و بے پایم	ندارد تاب عشق او دل بے دست و بے پایم
کہ روز و شب چو مجنونم سر زنجیر می خایم	کہ روز و شب چو مجنونم سر زنجیر می خایم،
میان نار و نورم و ترسم کہ گر آید خیال او	میان خونم و ترسم کہ گر آید خیال او
بخون دل خیالش را ز بیخویشی بیالایم	بخون دل خیالش را ز بیخویشی بیالایم
ز شبہائے من حیران بپرس از لشکر پریان	ز شبہائے من حیران بپرس از لشکر پریان
کہ در ظلمت در آمد شد پریرا پای میسایم	کہ در ظلمت در آمد شد پریرا پای میسایم
ہمی گردد دل پارہ ہمہ شب ہمچو استارہ	ہمی گردد دل پارہ ہمہ شب ہمچو استارہ
شدہ خواب من آوارہ ز سحر یار خود رایم	شدہ خواب من آوارہ ز سحر یار خود رایم
رہا کن تا چو خورشیدی قبائے پوشم از آتش	رہا کن تا چو خورشیدی قبائے پوشم از آتش
دران آتش چو خورشیدی جہانے را بیارایم	دران آتش چو خورشیدی جہانے را بیارایم
اگر یکدم بیاسایم روان من نیاساید	اگر یکدم بیاسایم روان من نیاساید
(ص۲۰) من آن لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم	من آن لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم (ک ص۶۷۵)

در محل دیگر از بیان این حال اشارت می فرماید، قدس سرہ العزیز،

ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد	ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد

لہ مناقب اور سپہ سالار میں حضرت مولینا کے چیدہ چیدہ اشعار ہیں جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہیں، بلکہ بعض پوری پوری غزلیں ہیں، اور بعض کسی غزل کے کئی کئی اشعار ہیں،

همه شب دیدهٔ من بر فلک استاره شمرد | همه شب دیدهٔ من بر فلک استاره شمرد

خوابم از دیده چنان رفت که هرگز نامد | خوابم از دیده چنان رفت که هرگز نامد

(۱۵۱) خواب من زهر فراق تو بنوشید و بمرد | خواب من زهر فراق تو بنوشید و بمرد (ک ۲۹۶)

کلیات شمس میں اس غزل کا مقطع یہ ہے:-

شمس تبریز که خورشید معانی گویم | معنی و صورت ما او بظهور می آورد

سپہ سالار کے بیان اور ان کے درج کئے ہوئے اشعار سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ غزل مولینا روم کی ہے۔ "دیوان شمس" کو شمس تبریز کا کلام سمجھنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مقطعوں میں مولینا کا نام آتا ہے، لیکن سپہ سالار کی اس مثال اور کلیات میں غزل کے اس مقطع سے ظاہر ہو گیا کہ ہمکو اس بنا پر ایسا نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ یہ امر پوری قوت سے ثابت ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے، اگرچہ سپہ سالار نے تصریح نہیں کی، لیکن بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے، کہ ایک رات مولینا غلبہ حال سے آرام نہ فرما سکے، اس موقع پر یہ غزل فرمائی،

دیده خون گشت و خون نمی خسپد، | دیده خون گشت و خون نمی خسپد،

دل من از جنون نمی خسپد، | دل من از جنون نمی خسپد،

مرغ و ماهی ز من شده حیران، | مرغ و ماهی ز من شده حیران،

کین شب و روز چون نمی خسپد | کین شب و روز چون نمی خسپد

پیش ازین در عجب همی بودم، | پیش ازین در عجب همی بودم،

کاسمان نگون نمی خسپد، | کاسمان نگون نمی خسپد،

آسمان خود کنون ز من خیره است | این فلک خود کنون ز من خیره است

که چرا این زبون نمی خسپد | که چرا این زبون نمی خسپد،

عشق بر من فسون اعظم خواند ۔ عشق بر من فسون اعظم خواند

جان شنید آن فسون نمی خسپد ۔ جان شنید آن فسون نمی خسپد

این یقینم شده است پیش از مرگ ۔ این یقینم شده است پیش از مرگ

کز بدن جان برون نمی خسپد ۔ کز بدن جان برون نمی خسپد

ہین خمش کن باصل راجع شو ۔ ہین خمش کن باصل راجع شو

دیدۂ راجعون نمی خسپد (ص۱۱۱) ۔ دیدۂ راجعون نمی خسپد (د۔ص۱۱۱)

دیوان میں اس غزل کا مقطع یہ ہے:۔

از قضاہائے شمس تبریزی ۔ ذوفن ذوفنون نمی خسپد

ایک اہم بحث: بعض غزلوں کے مقطعوں میں تو حضرت شمس کا نام اس مداحانہ طرز میں آتا ہے، کہ صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شمس کا کلام نہیں، جیسا ہم نے اس سے پہلے کی مثال میں بحث کی ہے لیکن بعض غزلوں میں ایسی حالت نہیں ہے، اس سے دھوکا ہو سکتا ہے، کہ شاید ایسی غزلیں شمس تبریزی کی ہوں، لیکن یہ شبہہ بھی جاتا رہتا ہے، کہ اس غزل کے مقطع میں شمس کا نام کسی خاص واضح تعریفی انداز یا الفاظ میں نہیں لیا گیا، اور سپہ سالار کے رسالہ سے یہ حقیقت نمایاں ہے، کہ یہ غزل مولینا روم کی ہے، جب یہ اشعار بجنسہ دیوان شمس تبریز میں ملتے ہیں، تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

بوئے ہمیں آید مرا مانا کہ باشد یار من ۔ بوئے ہمیں آید مرا مانا کہ باشد یار من

بر باد من ہیمود می آن باوفا خمار من ۔ بر باد من ہیمود می آن باوفا خمار من

کے یاد من رفت از دلش ای در دل جان منزلش ۔ کے یاد من رفت از دلش ای در دل جان منزلش

ہر لحظہ مجروح نے کند بہر دل بیمار من ۔ ہر لحظہ مجروح نے کند بہر دل بیمار من

کو نعرهٔ یا بانگئے اندر خود سودای من	کو نعرهٔ یا بانگئے اندر خود سودای من
کو آفتابی یا مهی مانندهٔ انوار من	کو آفتابی یا مهی مانندهٔ انوار من
امشب درین گفتارها رمزے ازان اسرارها	امشب درین اسرارها رمزے ازین اسرارها
در پیش بیداران راه مهدان آن دولت بیدار من	در پیش بیداران راه مهدان آن دولت بیدار من
آن پیل بجوابے اے عجب[1] چون دید هندوستان بشب	آن پیل بجواب اے عجب چون دید هندستان بشب
لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من	لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من
صبر از دل من برده مستی خوابم کرده	صبر از دل من برده مست و خرابم کرده
کو علم من کو علم من کو عقل زیرک ساز من	کو علم من کو حلم من کو عقل زیرک ساز من
امشب چه باشد قرنها منشا ندایی بار نظا	امشب چه باشد قرنها منشا ندایی بار نظا
(ص ۱۵) من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من	من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من (ک ۶۱۲)

سپہ سالار	دیوان
هر بشرے که صاف شد در دو جهان در ولی	هر بشرے که صاف شد در دو جهان دار ولی
دید غرض که فقر بد با زنگ الست را بلی	دید غرض که فقر بد بانگ الست را بلی
(ص ۲۰)	(ک ۸۸۵)

حضرت خداوندگار ..... از سر معاملهٔ خویش بیان می فرماید بیض الله وجهه العزیز

بسوزید آتش تقوی جهان ماسوی الله را	بسوزید آتش تقوی جهان ماسوی الله را
(ص ۲۲) بزد برقی والله و بسوزاینید تقوی را	بزد برقی والله و بسوزاینید تقوی را (ک ۹۹۵)

حضرت خداوندگار ما از صفت آن شراب کلمات بسیار در غزل دیگر بیان میفرماید سقانا الله منه

---

[1] مولینا نے اس طرح بعض اور اشعار میں بھی ہندوستان کا ذکر کیا ہے۔

پیش از آن کاندر جہان باغ و مَی انگور بود
از شراب لایزالی جانِ ما مخمور بود
ما ببغداد جہان جانِ اناالحق میزدیم
پیش ازین کین دار و گیر و نکتہ منصور بود

(ص ۲۴)

پیش از آن کاندر جہان باغ و مَی انگور بود
از شراب لایزالی جانِ ما مخمور بود
ما ببغداد ازل لافِ اناالحق میزدیم
پیش ازین کین دار و گیر و فتنہ منصور بود

(ک ۲۶۰)

سر قدم کردیم و آخر سوے جیحون تاختیم
عالمے برہم زدیم و جست بیرون تاختیم
اولین منزل یکے دریائے پرخون رو نمود
در میانِ موجِ آن دریائے پرخون تاختیم
چون براقِ عشق عرشی بود زیر ران ما
گنبدی کردیم و سوے چرخ گردون تاختیم
فہم و وہم و عقلِ انسان جملگی در رہ بریخت
چونکہ از شش حد انسان سخت افزون تاختیم
عالم[1] چون را مثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بہ پیشِ تختِ آن سلطان بیچون تاختیم

(ص ۲۵)

سر قدم کردیم و آخر سوے جیحون تاختیم
عالمے برہم زدیم و جست بیرون تاختیم
اولین منزل یکے دریاے پرخون رو نمود
در میانِ موجِ آن دریاے پرخون تاختیم
چون براقِ عشق عرشی بود زیر ران ما
گنبدی کردیم و سوے چرخ گردون تاختیم
فہم و وہم و عقلِ انسان جملگی در رہ بریخت
زانکہ از شش حد انسان سخت افزون تاختیم
عالم بیچون مثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بہ پیشِ تختِ آن سلطان بیچون تاختیم

(ک ۵۲۹)

سپہ سالار

سالکانِ قدس را محرم شدم

دیوان شمس تبریز

سالکانِ قدس را محرم شدم

---

[1] سپہ سالار کا مصرع زیادہ صحیح ہے، اسلئے کہ عالم چون "سلطان بیچون" کے مقابل ہے۔

ساکنان قدس را همدم شدم
طارمی دیدم برون از شش جهت
خاک گشتم فرش آن طارم شدم
هر نفس همراه عزرائیل بود،
جان مبادم گر ازو درهم شدم
روبرو با مرگ کردم مرحبا،
تا ز عید مرگ من خرم شدم
گه چو عیسی جملگی گشتم زبان،
گه ولے خاموش چو مریم شدم
بانگ نائے لم یزل بشنو ز من
گر چو پشت چنگ اندر خم شدم
عید اکبر شمس تبریزی که بود،
عید را قربانی اعظم شدم،

(ص ۳۵)

ساکنان قدس را همدم شدم،
طارمی دیدم برون از شش جهت
خاک گشتم فرش آن طارم شدم
هر نفس همراه عزرائیل بود،
جان مبادم گر ازو درهم شدم
روبرو با مرگ کردم مرحبا
تا ز عید مرگ من خرم شدم
گه چو عیسی جملگی گشتم زبان،
گه ولے خاموش چو مریم شدم
بانگ نائے لم یزل بشنو ز من،
گر چو پشت چنگ اندر خم شدم
عید اکبر شمس تبریزی که بود،
عید را قربانی اعظم شدم

(ک ۲۱۱)

ریگ ز آب سیر شد من تشنم ز بحر آبے
لایق جز گمان من نیست درین جهان زهی
اگر دلت ببلائے غمش شرح نیست
یقین بدان که تو در عشق شاه مختصری
ز رنج گنج بترس وز رنج هر کس نے

ریگ ز آب سیر شد من تشنم ز بحر آبے
لایق جز گمان من نیست درین جهان زهی
اگر دلت ببلائے غمش شرح نیست
یقین بدان که تو در عشق شاه مختصری
ز رنج گنج بترس وز رنج دیگرنے،

که خشم حق نه بود همچو کینهٔ بشری

(ص ۲۷)

غم راچه زهره باشد تانام ما برد
دستی بزن که از غم و غمخوار فارغیم
ما لاف می زنیم تو انکار میکنی
ز اقرار زهره و عالم و انکار فارغیم

(ص ۲۸)

چنانکه از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاه شد
ز رنگ و روی چشم تو بدنیت سپی برد بینا
ببیند حال دین تو بد اندهر و کین تو
ز رنگت لیک پوشاند نگردد اندر ترا رسوا
نظر در نامه می دارد و لیکن تا لب نمی خواند
همی داند کزین حال چه صورت زایدش فردا

(ص ۲۹)

ستاره ایست خدا را که بر زمین گردد
که در هوای ولیست آفتاب چرخ بود
بسایه که در آید بصومعهٔ مومن
که من ستاره سعدم بجز زمین مقصود
ستاره ام که من اندر زمین و بر چرخم

که خشم حق نه بود همچو کینهٔ بشری

(ک ۹۶۸)

غم راچه زهره باشد تانام ما برد
دستی بزن که از غم و غمخوار فارغیم
ما لاف می زنیم تو انکار میکنی
ز اقرار جمله عالم و انکار فارغیم

(ص ۳۰۶)

چنانکه از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاه شد
ز رنگ و روی و چشم تو بدنیت پی برد بینا
ببیند حال دین تو بد اندهر و کین تو
ز رنگت لیک پوشاند نگردد اندر ترا رسوا
نظر در نامه می دارد ولیکن تا لب نمی خواند
همی داند کزین حال چه صورت زایدش فردا

(ک ۳)

ستاره ایست خدا را که بر زمین گردد
که در هوای ولیست آفتاب چرخ بود
بسایه که در آید بصومعهٔ مومن
که من ستاره سعدم بجز زمین مقصود
ستاره ام که من اندر زمین و بر چرخم

بصد مقام یا بند چوں خیال حدود — بصد مقام یا بند چون خیال حدود

(ص ۳۷) — (ک ۳۲۳)

ایک بادشاہ کی تباہی کے حال کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں، در اثنائے آن سماع بر داشتند واین غزل را فرمودند،

نگفتمت[1] مرو آنجا کہ مبتلات کنند — نگفتمت مرو آنجا کہ مبتلات کنند

کہ سخت دست دراز اند بستہ مات کنند — کہ سخت دراز اند بستہ مات کنند

نگفتمت کہ ازان سوئے دام درداناست — نگفتمت کہ ازان سوئے دام درداناست

چو درفتادئ در دام کے رہات کنند — چو درفتادئ در دام کے رہات کنند

(ص ۴۳) — (ک ۳۲۶)

درخانہ خمار خرابات کہ دید است — درخانہ خمار خرابات کہ دید است

(ص ۲۰) — (ک ۳۲۸)

گر بشکند این جام من غصہ نیاشایم — گر بشکند این جام من غصہ نیاشایم

جامے دگر آن ساقی در زیر بغل دارد — صد جام دگر ساقی در زیر بغل دارد

(ک ۲۱۱)

یہ سب وہ اشعار ہیں، جن کے متعلق سپہ سالار کی تصریح نظر سے گذر چکی ہے، کہ یہ سب مولانائے روم کے فرمودہ ہیں، اس کے مقابل دیوان شمس تبریز سے منتخب شدہ اشعار بھی پیش نظر ہو چکے ہیں، اب تصفیہ کیا جا سکتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، یا نہیں، بلا خوف تردید جواب اثبات میں ہے،

---

[1] یہ اشعار تصریح کے ساتھ مناقب میں بھی موجود ہیں،

سپہ سالار کا ایک اہم بیان علاوہ ان منتخبہ اشعار کے جو ہم نے اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کیے ہیں سپہ سالار کا ایک اور بیان بھی ہے، جس سے ہمارے دلائل قطعی ہو جاتے ہیں،

جب حضرت شمس تبریز دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ تو وہاں سے مولانا کے نام ایک نامہ اقدس روانہ فرمایا۔

"ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسۂ دمشق مکتوب آمد، بعد ازان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد و کلمات و غزلیات انشا فرمود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

دیوان کو دیکھئے تو ایک دو نہیں سیکڑوں غزلیات اور ہزاروں اشعار اس حال کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہوں،

اے تو جانِ صد گلستان از من پنہان شدی — اے تو جان جان جانم چون ز من پنہان شدی
شمس تبریزی بچاہی رفتہ چو یوسفی — اے تو آبِ زندگی چون از من پنہان شدی

آگے چلئے تو اس سے زیادہ پرجوش بیان ہے، مفسدین کی شرارت سے تنگ آکر جب حضرت شمس الدین تبریز دوبارہ غائب ہو گئے، تو مولانا کو بیحد قلق ہوا، اور مولینا نہایت بیتاب و بیقرار ہو گئے

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود، حضرت خداوندگار علی الصباح چون در مدرسہ آمد و خانہ را از ایشان خالی یافت چون ابر بخروشید و روز و شب در فراق غزلیات جہانی می آوردند" (ص ۹۶ سپہ سالار)

اس غم ہجران کو بصورت شعر دیکھئے،

سخن تبریز شمس الحق تو باز آ از سفر — بہر حق بار دگر ما عاشقِ دوبارہ ایم

---

۱۵ انتخاب غزلیات مولینا روم و فرزند مولینا روم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن،

اے مونس و غمگسار عاشق، اے چشم و چراغ یار عاشق،
زینہار چہ زیان اگر تو باشی چارہ گر و غمگسار عاشق،

(دیوان شمس تبریز نسخہ ذاتی مطبع منشی نولکشور، ص ۱۹۰)

ز شمس الدین دلا بس دور دوری، ز دوری گوئے ہمچو نفخ صوری،
خود بیبیں در طلسم شعر منگر بہر انکو دیدہ و دل زعشقش ہست چوں بالائے
ز بے چشم مرا حاصل شدہ آئین خونریزی ز ہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

(کلیات شمس تبریز لکھنو ک ۱۹۷)

مدت دراز کے ہمدم و ہمراز کے اس بیان اور دیوان کے ان اشعار کے بعد اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی امر مانع دکھائی نہیں دیتا، کہ دیوان شمس تبریز مولانا کا کلام ہے، مولانا کے سیرت نگاروں میں سپہ سالار کی شہادت قطعی اور آخری ہے،

مثنوی سلطان ولد کی شہادت، سلطان ولد مولینا کے نامور فرزند ارجمند ہیں، صاحب علم و عمل ہونے کے علاوہ اہل سخن بھی تھے، شعر میں مولینا ہی کے پیرو ہیں، انکو ایک طرف علوم رسمی میں ید طولیٰ حاصل تھا تو دوسری طرف حقائق قدسی سے بھی انکا دامن دولت مالا مال تھا، سپہ سالار[1] کہتے ہیں،

"سلطان ولد رضی اللہ عنہ ..... در جمیع علوم رسمی دریائے بیکران بود و در معارف و حقایق قدسی بادشاہی بود بے مثل و نشانہ؛"

حضرت شمس بھی ان پر نہایت مہربان تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ظاہر و باطن [illegible] ہوئے،

"حضرت مولینا شمس الدین ختم اللہ ذکرہ در بارۂ [illegible] تمام فرمودے و در اوقات تجلیات و مناجات از حضرت رب العزت جہت ایشان اعلائے مقامات و لایت

[1] رسالہ سپہ سالار ص [illegible] مطبوعہ محمود المطابع کانپور،

بے زحمت کدورت مشقت طلب استدعا فرمودی، لاجرم آن گنج حقایق اورا بکمال
حاصل گشت وظاہر و باطن مبارکش ہمہ بنور قدسی مزین شد"

زہے ز نور روان تو چشم جان روشن
ز عکس طلعت تو لوح قدسیان روشن

مثنوی سلطان ولد، مولانا ہی کی طرح ان کا ایک دیوان غزلیات اور ایک مثنوی ہے جو مثنوی سلطان ولد کے نام سے مشہور ہے، اس کا ایک قدیم اور صحیح قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے، یہ مثنوی سلطان ولد کے فرزند سعید کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور اس نسخہ کی کتابت ان کی وفات[1] کے چھ سال بعد مکمل ہوئی ہے،

خاتمۂ کتاب پر یہ عبارت بالکل اس خط میں ہے جسمیں ساری مثنوی لکھی گئی ہے،

تم کتاب المثنوی المعنوی علی یدی احقر عباد اللہ واضعفہم عثمان بن عبد اللہ عتیق
مولانا ابن مولانا المعروف بالولد نور اللہ بنورہ المؤید یوم السبت اربع عشر من
شہر شوال سنہ ثمان عشر و سبعمایہ والحمد للہ وحدہا والصلوٰۃ علی محمد والہ الطیبین الطاہرین وسلم

مثنوی میں مختلف مسائل پر انھون نے مختلف عنوان اور باب قرار دئیے ہیں، ایک باب مراتب قرب اور فرق مدارج وصال پر بھی ہے، اس عنوان کی عبارت میں مولانا روم کے اشعار بھی درج کئے ہیں

"دربیان آنکہ رہروان و واصلان را قرب حق یکسان نباشد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرماید"

دیوان	مثنوی سلطان ولد
اے بر سر بازاران ہر خرقہ بزنارے	اے بر سر بازاران صد خرقہ بزنارے
وز روئے تو در عالم ہر روئے بدیوارے	وز روئے تو در عالم ہر روئے بدیوارے

[1] سنہ وفات سلطان ولد ۷۱۲ھ سپہ سالار ص (دربیان خلفاء حضرت خداوندگار بعنوان سلطان ولد)

ہر ذرہ تو خورشید ی گویائے انا الحق	ہر ذرہ ز خورشیدت جویائے انا الحق
ہر گوشہ چو منصوری آویختہ برداری	ہر گوشہ چو حلاجست آویختہ برداری
ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زنے مستند	ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زمئے مستند
ایں طرفہ کز یک گل در ہر قدمے خارے،	ایں طرفہ کہ از یک گل در ہر قدمے خارے
از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست	از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست
جز عاقل لایعقل قومی دگر آید آری	جز عاقل و لایعقل قومی دگر آید آری
(ورق ۲۳۹ کا صفحہ ثانی)	(دیوان شمس تبریز ص ۲۶۶)

ان اشعار کے بعد یہ عبارت ہے،

پس در عین وصل واصلان حق را مقاماتیست، از روے وصل یکیا نیست، واز روے مقامات و درجات مختلف چنانکہ در دنیا پادشاہی را خواص و مقربان باشند لیکن ہر یکے را پیش پادشاہ مقامی باشد یکے اعلیٰ و یکے ادنیٰ یکی اقرب و یکے ابعد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرماید

مثنوی سلطان ولد	دیوان شمس تبریز
گر تو نور حق شدی از شوق تا مغرب برو	
زانکہ ما را زین صفت پروا آن انوار نیست	
ور تو سر حق بدانستی بدان سر باش یار	یہ اشعار دیوان میں نہیں ہیں،
زانکہ این اسرار ما را خوئی آن اسرار نیست	
جانے کہ رو این سو کند با بایزید از خو کند	جانے کہ رو آنسو کند با بایزید او خو کند
یا در سنائی رو کند یا بوئے دہد عطار را	یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را
(ورق ۲۳۸ کا صفحہ ثانی)	(دیوان شمس تبریز قلمی ناتمام طاق الکتبخانہ آصفیہ حیدرآباد)

چند اور شہادتین

عطار اور سنائیؒ کا ذکر، مولینا رومؒ حضرت عطارؒ، اور سنائی کے پیام اور کلام دونوں سے متاثر ہوئے ہین، اسلئے مختلف مقامات پر ان کی مدح فرمائی ہے، جو بجائے خود اس امر کی ایک دلیل ہے کہ یہ اشعار مولینا کے ہین، اور اس سے دیوان شمس تبریز کا مولینا کا کلام ہونا ثابت ہوتا ہے،

دا ہمچنین یاد فرمودہ است،

دیوان	مثنوی سلطان ولد
حلاج اشارت گو از خلق بدیدآمد	حلاج اشارت گو از خلق بدار آمد،
از تندئی اسرارم حلاج زند دارم[1]	از تندئی اسرارم حلاج زند دارم
(ک ۰۶۰م)	(یہ شعر سپہ سالار میں ہے ص ۲م۲)

ہم نے اوپر مثنوی سلطان ولد سے منتخبہ اشعار اور ان کے مقابل دیوان شمس تبریز سے وہی اشعار منتخب کرکے درج کردیئے ہین، یہ ایک برہان ساطع ہے، جس سے ہم دیوان شمس کو مولینا رومؒ کا کلام ماننے پر مجبور ہین،

فیہ ما فیہ کی شہادت، فیہ مافیہ خود مولینا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات عا... کے مجموعہ کا نام ہے، اس کتاب کا صرف نام ہی نام سنتے تھے، مولینا کے عہد سے اتبک کبھی شائع

[1] یہ شعر سپہ سالار میں بھی بر منصور اشارت گو از خلق بدار آمد۔ از تندئی اسرارم حلاج زند دارم ...

نہ ہوئی تھی، ہاں حیدر آباد کو یہ فخر حاصل ہے، کہ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

رام پور کے کتبخانہ میں اس کا ایک نسخہ مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی مدیر صدق کے ہاتھ لگا، انھوں نے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتبخانوں کے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تذکرہ اور تبصرہ کیساتھ پہلی مرتبہ اسے چھپوا کر شائع کیا ہے، اب اس نعمت غیر مترقبہ سے ہر اہل دل استفادہ کرسکتا ہے، ع :-

صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے

مولینائے روم نے اس میں بھی بعض جگہ اپنے اشعار درج کئے ہین، ان میں ایسے بھی ہین، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، جس سے ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مولانا کی ایک مشہور اور مخصوص غزل کا ایک مصرع ہے،

دیوان شمس تبریز	فیہ ما فیہ
مفروش خویش ارزان کہ تو بس گرانبہائی	مفروش خویش ارزان کہ تو بس گرانبہائی
(ک ۹۰۶)	(ص ۱۰)
دیوان شمس تبریز	فیہ ما فیہ
جز و در ویشند جملہ نیک و بد	جز و درویشند جملہ نیک و بد[1]

[1] یہ شعر مناقب العارفین میں بھی ہے (قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن) ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ سوال کرین کہ صرف فیہ مافیہ میں ہونے سے اس کا کسطرح علم ہوا کہ یہ اشعار خاص مولینا ہی کے ہین، لیکن جب یہ شعر مناقب میں تصریح کیساتھ پایا جاتا ہے اور دیوان میں بھی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ اشعار مولینا ہی کے ہین،

ور نباشد این چنیں درویش نیست
ہر کہ نبود او چنیں درویش نیست

(ص ۲۴۲ یہ شعر مناقب میں بھی ہے ،) (ک ۱۵۹)

فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل
فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل

میان این دو منازع بماند مردم زاد
میان آن دو منازع بماند مردم زاد

(ص ۸۵) (ک ۳۲۱)

گویا یہ خود مولینا کی شہادت ہے، متاخرین، متقدمین، ہمعصر اور ہمدم و ہم صحبت اصحاب کرام کی شہادت کے بعد ہم نے خود مولینا کی شہادت بھی نقل کر دی ہے، ان اشعار سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوا کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے نتائج افکار میں سے ہے، فیہ مافیہ کی شہادت قوی تر ہے، اس سے ہماری دلیل بھی قوی ترین ہو جاتی ہے،

ایک خاص اور اہم شہادت کتبخانہ آصفیہ میں مولانائے روم کے کلام کا ایک گرانقدر مجموعۂ غزلیات مولینائے روم و فرزند مولینائے روم کے نام سے ہے جس میں ان دونوں کی غزلوں کا یہ ایک نہایت بیش قیمت انتخاب ہے، یہ نسخہ قلمی ہے، خط نہایت خوبصورت اور پختہ ہے، ایرانی طرز کی ایک نہایت نفیس سوختہ چرمی جلد ہے، لیکن شکستہ، جلد کے درمیان میں نہایت پاکیزہ خط میں درود شریف لکھا ہوا ہے، حاشیوں پر کلمات تسبیح درج ہیں، کتاب پر نہ نام درج ہے، اور نہ سنہ کتابت ہے ۱۳۳۱ھ میں غالباً عابد نواز جنگ سے کتبخانہ آصفیہ کے لئے خریدی گئی ہے[1]،

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ نسخہ کسقدر قدیم ہے، اگر اس کا مثنوی سلطان ولد کے مذکورۂ بالا قدیم قلمی نسخہ سے جسکی کتابت ان کی وفات[2] کے چھ سال بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے مقابلہ کیا جائے

[1] کتبخانہ آصفیہ.... دواوین فارسی نمبر ۳۴۳ [2] سلطان ولد کا سنہ وفات ۷۱۲ھ ہے آخر شب روز شنبہ دہم ماہ رجب سنہ اثنی عشر و سبعمائۃ در پردہ نور مستور شد اور اختتام کتابت کی تاریخ ۷۱۸ھ ہے جو خاتمہ کتاب پر بقلم کاتب درج ہے۔

اور مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو غزلیات کا یہ نسخہ مثنوی رباب نامہ کے اس نسخہ سے قریب العہد معلوم ہوتا ہے، باوجود نہایت خوشخط اور صاف ہونے کے مثنوی کے اس نسخہ سے زیادہ اس کا کاغذ گل گیا ہے، اس کا شیرازہ بھی بکھرا ہوا ہے،

اس میں مولینا روم اور سلطان ولد (فرزند مولانا روم) دونوں کی غزلیات ہیں لیکن مخلوط ترتیب ایسی نہیں کہ پہلے کسی کی غزلیں ہوں، اور بعد دوسرے کی،

غزلیات میں بھی ردیف وغیرہ کے اعتبار سے کوئی خاص ترتیب نہیں، اکثر باپ اور بیٹے کی ہم قافیہ اور ہم ردیف غزلیں ساتھ ساتھ درج ہیں، جیسے کسی کو دونوں شعرا کے کلام کا موازنہ اور مقابلہ مقصود ہو،

لوالدہ۔	اے تو زخوبی خویش آئینہ را مشتری	سوختہ باد آئینہ ما تو دران بنگری
لولدہ	اے ہمہ خوبان ترا از دل و جان مشتری	تا سوی ایشان ہما یکنفس بنگری
لوالدہ	قرۃ العینی منی اے جان بیلے،	ماہ بدری کردہ کردان بیلے،
لولدہ۔	ولد این بوزن گفت مولانا بود	قرۃ العینی منی اے جان بیلے،

اس آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے، سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ غزلیات مولانائے روم کی غزلیات پر لکھی ہیں، اور اس انتخاب میں تقریبًا ساری غزلیات اسی نوعیت کی ہیں، غزلیات کا انتخاب مرتب کے حسن ذوق اور سخن شناسی کی دلیل ہے، مولانا کی ہر غزل پر "لوالدہ" اور سلطان ولد کی غزل پر "لولدہ" لکھا ہوا ہے،

خاص بات اور قابلِ غور و فکر امر یہ ہے کہ ہر غزل سے پہلے "لوالدہ" اور "لولدہ" کے الفاظ کے بعد مرتب مذکور احترامًا خاص خاص دعائیہ جملے لکھتا ہے جس سے حضرات شعرا کیساتھ اسکی دلی عقیدت کے علاوہ اسکا کمالِ علم وفضل بھی ظاہر ہوتا ہے، مثالًا ملاحظہ ہو،

لولدہ اصلح اللہ شانہٗ	لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ،
لولدہ عفی اللہ عنہ،	لوالدہ اعز اللہ نصرہ،
لولدہ اجل اللہ قدرہ،	لوالدہ اجل اللہ قدرہ،
لولدہ طیب اللہ تربتہٗ	لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ
لولدہ نور اللہ مضجعہٗ	لوالدہ طاب اللہ تربتہ،
	لوالدہ رحمۃ اللہ علیہ،

یہ مختلف فقرے اس طرح استعمال کیے گئے ہیں، کہ بعض پر یہ گمان ہوتا ہے، کہ ممدوح کے زمانہ حیات میں لکھے گئے ہیں، جیسے "اصلح اللہ شانہ"، "اعز اللہ نصرہ" اور بعض سے ظاہر ہے کہ موت کے بعد لکھے گئے ہیں، جیسے "طاب اللہ مرقدہ"، "نور اللہ مضجعہ"، مولینائے روم اور ان کے خلفائے محترم کے معتقد اور مخصوص تذکرہ نویس فریدون سپہ سالار اور شمس الدین افلاکی صاحب مناقب العارفین ہیں، انکے بعد تذکرہ نویسوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، لیکن اور تذکروں میں تو یہ بات نہیں ہے، ان دونوں حضرات نے القاب و آداب اور ایسے دعائیہ جملے اپنی تحریروں میں استعمال کیے ہیں لیکن مناقب میں افلاکی کا یہ رنگ نہیں، البتہ سپہ سالار کی القاب نویسی میں دعائیہ جملوں کے لکھنے کا رنگ قریب قریب بلکہ بالکلیہ اس کے مشابہ ہے، عربیت، ترکیب اور بندش بھی ایسی ہو جس سے اسکے جوش عقیدت اور قدرت زبان کا پتہ چلتا ہے، سپہ سالار میں بھی یہی بات آپ پائیں گے، مثالیں ملاحظہ ہوں،

مولینا کے نام کیساتھ، "قال الشیخ قدس اللہ روحہٗ (سپہ سالار ص ۳) عظم اللہ ذکرہم (سپہ سالار ص۱۲) در ذکر حضرت خداوندگار قدس اللہ سرہٗ العزیز (سپہ سالار ص ۱۳) قدسنا اللہ سرہ العزیز (سپہ سالار ص۱۸) سبیض اللہ وجہا العزیز (سپہ سالار ص۲۲) عظم اللہ جلال قدرہ (سپہ سالار ص۲۳) بیض اللہ تعالیٰ وجہہ (سپہ سالار ص۲۷) شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ، "سلطان سعید رکن الدین نور اللہ قبرہ، حضرت شمس عظم اللہ

ذکرہ (سپہ سالار ص ۶۲) اعظم اللہ جلال قدرہ (ص ۶۲)، اعزامہ صلاح الدین بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۶۶)

سلطان ولد۔ رضی اللہ عنہ، وعن اسلافہ (ص ۸۰)، قدسنا اللہ بسرہ (سپہ سالار ص ۷۶)

بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۷۹)

سلطان شمس الدین عابد۔ اسبغ اللہ ظلہ، چلپی عارف نور اللہ ضریحہ،

القاب و آداب کا تو یہ رنگ پیش نظر ہو گیا ہے، مشابہت و مشارکت کا اندازہ ہو گیا، جیسے اسمیں بعض القاب کی تکرار ہوتی ہے، اس منتخبہ نسخہ میں بھی القاب کی تکرار کا یہی حال ہے، سپہ سالار میں بعض القاب مختلف حضرات کیلئے مشترک طور پر استعمال ہوئے ہیں، تو غزلیات کے اس انتخاب میں بھی مولینا اور سلطان ولد کے لئے بعض القاب مشترک طور پر استعمال ہوئے ہیں، مثلاً اجل اللہ قدرہ، طاب اللہ تربتہ، یہ صرف ہمارا ایک گمان اور قیاس ہے، (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،)

کیا اس نسخہ کی غزلیات منتخبہ مولانا ہی کی ہیں؟

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ نسخہ پر کتاب کا کوئی نام درج نہیں ہے، صرف فہرست کتبخانہ میں اس کا نام "غزلیات مولینا روم اور فرزند مولینا روم" ہے، ابتداء اور آخر کے چند صفحات غائب ہیں، البتہ صرف ہر غزل کے سرے پر الفاظ "للوالدہ" اور "للولدہ" درج ہیں، ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ والد اور ولد سے مراد مولینا روم اور سلطان ولد ہیں، اور یہ انہی کے کلام بلاغت نظام کا انتخاب ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ،

تقریباً سلطان ولد کی ساری غزلیات میں جن کے آغاز میں للولدہ لکھا ہوا ہے، انکا تخلص موجود ہے، جیسے:-

مغز مغزی اے ولد ہم جان جان مرد خرد علما و عقلما در پیش حسنت چون سپر

(ورق ۹۸[1] سے پہلے کا صفحہ)

ہین ولد پیدا مکن اسرار عشق شاہ را ‖ غیرتِ حق آتشست افزون مکن خاموش باش

اے ولد چون راہِ معنی را گزیدی لاجرم ‖ ہم تو شاہی ہم سپاہی ہم امالی ہم امین

(ورق ۹۹ سے پہلے کا صفحہ)

لب ببند ازین گفتن بس کن نگہ دار نفس ‖ یکبارہ ولد ہر دم اسرار مکن پیدا

(ورق ۱۰۰ سے پہلے کا صفحہ)

گشتست ولد بیجان زان زلف و صد حلقہ ‖ در حلقہ جانِ او مہر تو نگین بادا

(ورق ۱۰۰ سے پہلے کا صفحہ)

جب سلطان ولد کی غزلیات واقعی انہی کی ہین، اور انتخاب کنندہ کا اندراج صحیح ہے، تو اس محل پر اس امر مین شک وشبہہ کی کوئی وجہ نہیں کہ انھون نے جن غزلیات پر "لوالدہ" لکھا ہے وہ مولنٰائے روم ہی کی ہیں، اگر وہ صحیح ہے تو یہ بھی درست ہے۔

ایک بدیہی ثبوت، اس سے قوی تر ایک اور ثبوت بھی ہمارے یہان موجود ہے، وہ یہ ہے، کہ بعض غزلیات کے چند اشعار جو اس گلدستۂ انتخاب میں ہیں، تشریح اور توضیح کے ساتھ سپہ سالار میں بھی پائے جاتے ہین، جو مولانائے معنوی کا معتبر ترین تذکرہ ہے، بعض اشعار سپہ سالار اور مناقب العارفین دونون میں پائے جاتے ہین، یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے، کہ نسخۂ مذکور کی منتخبہ غزلیات بلاشبہہ مولانا ہی کی ہین،

یہ تو دعویٰ ہوا دلیل ملاحظہ ہو،

غزلیات مولنٰا روم و فرزند مولنٰا روم،	سپہ سالار	مناقب العارفین
سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم

[1] شمار اس نسخہ میں بھی اوراق کا ہے، صفحات کا نہیں،

غزلیات مولینا روم فرزند مولینا روم	سپہ سالار	مناقب العارفین
عالمے برہم زدیم و چیست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم و چیست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم و چیست بیرون تاختیم
چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما	چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما	چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما
گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم
عالم چون را امثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون را امثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون را امثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم

بارویے توز سبزہ و گلزار فارغیم ۲ بارویے توز سبزہ و گلزار فارغیم

باچشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم باچشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم

(یہاں اوراق کا نمبر نہیں ہے)[1] (سپہ سالار)

سالکان راہ را محرم شدم ۲ سالکان راہ را محرم شدم

ساکنان قدس را ہمدم شدم ساکنان قدس را ہمدم شدم

(اوراق کا نمبر نہیں) (ص ۲۵)

اس قطعی دلیل کے علاوہ اس امر کی ایک اور داخلی شہادت بھی موجود ہے، اسی نسخہ کی ایک غزل میں مولانا نے سلطان ولد سے خطاب کیا ہے، فرماتے ہیں،

ہمچو کہ مردان ولد جوئی رضائے احد ہم بطلب زود مرد عمر بپایان رسید

سلطان ولد اسی قافیہ و ردیف کی غزل میں جو انتخاب میں اسی کے بعد درج ہے، اس کا ذکر فرماتے ہیں،

[1] کتب خانہ کے منتظمین نے کتاب کے اوراق شمار کئے ہیں، چند اوراق کے بعد ا ومنون نے کتاب کو بلا شمار چھوڑ دیا ہے،

والد گفت اے ولد ہست آں صدر ‏‏‏‏ که رسدت جان من عمر جو پایان رسید

(ورق ۱۰ سے پہلے کا صفحہ)

ایک اور شعر میں مولینا نے سلطان ولد کو مخاطب فرمایا ہے،

گوہر عشقت کجا یابد ولد، ‏‏‏‏ چون ورائے ہفت دریا آمدی

اس تحریر کے بعد سارا شک یقین سے بدل گیا کہ اس انتخاب میں جو غزلیات مولینا کی طرف منسوب ہیں، وہ انہی کی ہیں، اب ہم تحقیق و مقابلہ سے ظاہر کریں گے کہ یہ غزلیات دیوان شمس تبریز میں بھی پائی جاتی ہیں، جس سے ہمارا مدعا قطعی طور پر ثابت ہوجائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولانا روم کا کلام ہے۔ مقابلہ پیش نظر ہے، طوالت کے خوف سے ہم نے اکثر غزل کا صرف مطلع اور مقطع نقل کیا ہے، ورنہ ان غزلیات کے اکثر اشعار انتخاب میں شامل ہیں،

دیوان شمس تبریز	غزلیات مولینا روم و فرزند مولانا لوالدہٗ قدس اللہ وجہہ،
۱	
اندرآ ای اصل اصل شادمانی شادباش	اندرآ ای اصل اصل شادمانی شادباش
اندرآ ای آب آب زندگانی شادباش	اندرآ ای آب آب زندگانی شادباش
گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی	گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی
از تو حیران شدہ بحر معانی شادباش	از تو حیران شدہ بحر معانی شادباش
(کلیات شمس تبریز لکھنؤ ص۴۱۲)	(ورق ۱۰ سے پہلے کا صفحہ)

مقطع میں شمس تبریز کا نام اور تعریف قابل غور ہے،

لوالدہ طیب اللہ مرقدہ،

۲	
سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم

عالمے برہم زدیم وجست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشہ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ورق ۶)

عالمے برہم زدیم وجست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشہ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ک ۵۲۹ وص ۲۱۰)

۳

لوالدہ عفی اللہ عنہ

اے تو جانِ صد گلستان از سمن پنہان شدیا
اے تو جان جان جانم چون تن بین پنہان شدیا
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی،
اے تو آبِ زندگی چون از سمن پنہان شدی

(ورق ۱۳)

اے تو جان صد گلستان از سمن پنہان شدی
ای تو جان جان جانم چون ز من پنہان شدی
شمس تبریزی بچاہی رفتہ چون یوسفی
اے تو آب زندگی چون از سمن پنہان شدی

(ک ردیف ی)

۴

لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ

آمدہ شہر صیام سنجق سلطان رسید
لشکر انوار جانِ کوری شیطان رسید

(ورق ۸۷)

آمدہ ماہ صیام سنجق سلطان رسید
دست برار از طعام مائدہ جان رسید

(ک ۲۹۸)

۵

لوالدہٗ نور اللہ مرقدہ

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید،
گفت حقش پر شوری گفت بلی من مزید

(ورق ۹۰)

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید،
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید
گفت حقش پر شدی گفت بلی من مزید

(ک ۳۰۱)

۶

لوالدہ عفی اللہ عنہ

شاہ کشاد است و دیدہ شہ بین کجا کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین چراست
خسرو جان شمس دین مفخر تبریزیان
در دو جہان ہیچو او شاہ خوش آئین کراست

(ورق ۵۹ سے پہلے کا صفحہ)

شاہ کشادست او دیدہ شہ بین کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین کراست
خسرو جان شمس دیں مفخر تبریزیان
در دو جہان ہیچو او شدہ خوش آئین کراست

(دیوان شمس تبریز ص ۹۳)

۷

لوالدہ ستر اللہ عیوبہ،

برچرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در ما نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد

(ورق کا شمار نہیں)

برچرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در مان نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد

(دیوان شمس تبریز ص ۸۳)

۸

لوالدہ اصلح اللہ شانہ

اے بہار سبز و تر شاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی

(ورق بلا شمار ہے)

اے بہار سبز و تر شاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی

(دیوان شمس تبریز ص ۳۶۲)

۹

لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ

سالکان راہ را ہمدم شدم | سالکان راہ را محرم شدم،
سا کنان قدس را ہمدم شدم | ساکنان قدس را ہمدم شدم۔
عید اکبر شمس تبریزی بود، | عید جانم شمس تبریزی بود
عید را قربانی اعظم شدم، | عید را قربانی اعظم شدم

اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے، اور انہی کے واردات قلب کا ترجمان ہے،

اسکے علاوہ یہاں دو باتیں ہماری توجہ کو اپنی طرف منعطف کرتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ ان منتخبہ غزلیات میں بھی مقطعوں میں حضرت شمس کا ذکر اور ان کی مدح آتی ہے، ٹھیک اسی طرح کم و بیش دیوان کی ساری غزلیات میں حضرت شمس کا نام اسی انداز کی تعریف و توصیف کے ساتھ آتا ہے، بادی النظر میں یہی پہلی وجہ ہوتی ہے جس سے ناظر یہ خیال کرتا ہے، کہ یہ حضرت شمس کا کلام ہے، لیکن انتخاب کی ان غزلیات اور ان کے مقاطع میں حضرت شمس کے نام نے اس خیال کو باطل کر دیا، اور یہی نتیجہ دیوان کے بغور مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس نسخہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مرتب کو اس میں بالکل شبہہ نہ تھا، کہ یہ کلام مولینا کا بصراحت معلوم ہوتا ہے، اُسنے کامل یقین اور اذعان اور مطالعہ کے بعد ان غزلیات کا انتخاب کیا ہے، اس بات نے ہمارے مدعا کو روشن تر کر دیا ہے،

باب دُوم

داخلی شہادت

خاموش کردم این زبان باکس نگویم این ما — شد شمس تبریزی عیان برمصحف دیوان ما

(دیوان شمس تبریز) (رومی)

داخلی شہادت، حتی الامکان ہم نے اپنے مدعا کے اثبات مین تاریخی شہادت اور خارجی شواہد پیش کردیے خارجی شواہد میں بعض نہایت قوی اور ایقان آفرین دلائل ہاتھ آگئے جس سے شک وشبہ جاتا رہا، لیکن اس سے اہم اور واضح ترین شہادت وہ ہے، جو ہمیں دیوان ہی سے ملتی ہے یہاں مماثلت، اشتراک اور تقابل کی بحث نہین ہے یہان خود مولینائے روم کی زبان سے اس سوال کا شافی جواب ملجاتا ہے، اور طالب حقیقت اس سے اطمینان کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے،

اکثر فارسی شعرا کا قاعدہ ہے کہ غزل یا قصیدہ کے مقطع میں بالعموم اپنا تخلص لاتے ہین، جس سے پڑھنے والے کو اس کا علم ہوتا ہے کہ یہ کلام کس کا نتیجۂ فکر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مقطع بلاتخلص لکھا گیا ہو، لیکن مولانائے روم کی یہ عادت نہین، انھیں صرف فکر کلام ہی ہے فکر نام یا پابندی رسم عام بالکل نہین، مثنوی معنوی میں بھی شاذونادر ہی اپنا ذکر کرتے ہین یا اپنا تخلص یا نام لاتے ہین،

دیوان شمس تبریز کے متعلق ایک غلط فہمی

دیوان میں بھی یہی حال ہے، ان کا اپنا تذکرہ یا اپنا تخلص ڈھونڈنے والے کو بھی مشکل سے ملتا ہے لیکن ایک بات نہایت عجیب ہے وہ یہ کہ کم وبیش تقریباً ساری غزلیات کے مقطعوں میں شمس تبریز کا نام ملے گا، کہیں کہیں مقطعوں میں بھی ہے کہیں غزل کے درمیان شمس کی مدح اور ان کا نام آتا ہے، یہ وہ بات ہے جس کے باعث بادی النظر میں دیوان کا سرسری پڑھنے والا یا دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ شمس تبریز نور اللہ قبرہ کا دیوان ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اور ادنیٰ توجہ سے دیوان پر نظر ڈالنے والا بھی کم سے کم اس نتیجہ پر تو پہنچ ہی جاتا ہے، کہ یہ شمس تبریزؒ کا کلام نہیں بلکہ ان کے کسی عاشق بیتاب اور مضطرب الحال مداح کا ہے، واقعہ کیا ہے، خود مولیناؒ ہی کی زبان نے اس کا جواب دیا ہے،

جز قصۂ شمس الحق تبریز نگوئید، از ماہ بپرسید کہ خورشید پرستیم

(دیوان شمس تبریز ص ۲۰۱)

قونیہ کے بدر کامل مولینا روم نے دیوان میں در اصل شمس تبریز کے اسرار اور انوار کا ذکر فرمایا ہے، حسب سابق یہی ہمارا دعویٰ ہے، اب ہم شرح وبسط کیساتھ دلائل پیش کریں گے،

مدح شمس تبریزؒ

یہ تو سب جانتے ہیں، کہ غزلیات میں حضرت شمس تبریز کا نام کثرت سے آتا ہے لیکن اس پر بہت کم غور کیا جاتا ہے کہ یہ نام کس حیثیت سے آتا ہے،

حضرت شمس تبریز کا نام کم وبیش ہر ایک موقع پر ممدوح کی حیثیت سے آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کلام کے مصنف شمس نہیں بلکہ کوئی مداح شمس ہیں،

اس پر لوگ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاعر اپنی آپ توصیف کرتے ہیں وہ ایسی ہی تعریف ہوگی جسکی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ کلام شمس تبریز کا نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ہے،

یہ سچ ہے کہ بعض فارسی شعرا خصوصًا قصائد میں اور کسی قدر غزل میں اپنی لیاقت اور

اور اپنے علم وفضل پر شاعرانہ تعلّی کرتے ہیں، یا شرافتِ نسب پر اظہارِ فخر کرتے ہیں، جیسے عرفی اس خصوص میں مشہور ہے ؎

اقبالِ سکندر بجہانگیری نظمم　　برداشت بیکدست قلم را علم را

غزل میں بھی کہیں کہیں اور کبھی کبھی شاعر کسی خاص پیرایہ میں یا اپنے آپ کو غیر فرض کرکے اپنی تعریف کا کوئی پہلو نکالتا ہے، لیکن انکی حیثیت شاعرانہ تعلی سے زیادہ نہیں ہوتی، یہ تعلی کبھی کبھی بڑی حد تک حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، جیسے ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے،

بیا اینجا کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی　　برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

یا حافظ شیرازؒ حاسد سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں،

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ　　قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد است

در آسمان چہ عجب گر ز گفتۂ حافظ　　سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را

لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر غزل میں، مقطع میں، مطلع میں، غزل کے درمیان میں جابجا کوئی شاعر اپنے کمال اپنے علومرتبت، اپنی روحانی فضیلت کا طومار باندھ دے، اور سارے دیوان کو صرف اپنا قصیدہ مدحیہ بنا دے، خصوصاً جب کہ شاعر کوئی خودپسند نفس پرست، طالب زر دربارداری کرنے والا شخص نہ ہو، بلکہ غیور، حق پرست اہلِ دل ہو، اور مقدس شخصیت رکھتا ہو، دیوانِ شمس تبریز میں شمس کا نام کسی خودپسند مداح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ممدوحِ ذیشان کی حیثیت سے آیا ہے، مدح تو مسلم ہے لیکن مدح کی نوعیت بھی تو قابلِ غور ہے،

ہم ان مداحیہ اشعار میں سے چند اشعار درج کرتے ہیں، جن سے مدح کی نوعیت اور ممدوح کی حیثیت دونوں کے متعلق صحیح اندازہ ہو جائے گا، مختلف غزلیات کے مطلعوں، مقطعوں، اور غزل کے درمیان میں حضرت شمس کا نام اس طرح آتا ہے،

ہر قطرہ ز بحرِ شمس تبریزؔ ، مانند صدف ہزار دریاست

عاشقانِ عشق را بسیار با زیبا دہیم، چونکہ شمس الدین تبریزی کنون شیدا ما

چون درختے را نہ بینی مرغ کے بینی درو، پس چہ گویم با تو جان جان این تبریز را

دردِ شمس الدین بود سرمایہ درمانِ ما، بے سروسامانی عشقش بود سامانِ ما

ایک مدحیہ غزل کے اشعار یہ ہیں ،۔

شمس تبریزی چو نمائی جمال، جانفزائی جانفزائی جانفزا

شمس تبریزی توئی ہادئی دل، رہنمائی رہنمائی رہنما

شمس تبریزی ز عشقت سوختم، جانِ مائی جانِ مائی جانِ ما ،

بعض غزلیات میں مسلسل دو دو شعر مدح کے ہیں،

دم مزن و ترک کن بہرِ دل شمس و ضیا، زفت و اشارات را نظر و عبارات را

می برد از بہر جان سالکِ اہلِ عیان، شمس کہ جانہا از و یافت مراعات را

آمد نسیم عشق ز تبریز جانفزا، آورد صد ہزار پیام از دمِ ضیار

اے ایاز دل و جان شمس حق تبریزیا، نیست در ہر دو جہان چون تو شہ محمودے

شمس تبریزی چو شمس فلک از نور تو است، نور بخشے ہمہ را از نظر بینائے،

شمس تبریزی تو ما را محو کن، زانکہ تو چون آفتابے ما چو مہ

مفخر تبریزیان شمس حق دین، ہست چو خورشید و مہ نیست مگر فانئے

تو شمس دولتِ دینے بخواجگی چو نشینی، صد آفتاب فلک را چو بندگان نشانی

نشوی ذاکر مناقب شمس، تا سر از جیب او بدر نکنی ،

مخدوم شمس الدین شہم ہم آفتاب و ہم مہم، بر خاک از من سر نہم ہم سر بود زان متہم

عشق شمس الحق تبریزی رہ قبلۂ دین | جز بدین دولت باقی بچہ باشیم سزا
بلا دانا شناسد شمس تبریز | ترا این مردم نادان چہ دانند
کسے کز جان غلام شمس دین نیست | ز عشقش جان او خرم نگردد،

درمیان غزل ہیں جو،

نداند سرو برگ کار آن را، | درختے را کہ شمس الدین نشاندا
چو شمس الدین تبریزی در آید | بیک دم زان ہمہ دامت رہاندا

مدح کے یہ اشعار جن میں بعض مقطعے اور مطلعے ہیں، اور بعض غزل کے درمیانی حصے ہیں، ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کہیں تو حضرت شمس کو ایک بحر حقیقت کی تشبیہ دیگئی ہے، اور اسکے ہر قطرہ کو ہزار دریا کے مانند بتایا گیا ہے، کہیں شمس کے "دردِ عشق" کو اپنے لئے درمان سمجھا گیا ہے، کسی شعر میں شمس کے مرتبۂ عظمت کا اظہار اسطرح کیا گیا ہے کہ وہ چاند اور سورج ہیں لیکن لافانی،

کہیں مدحت کا یہ انداز ہے کہ حضرت شمس کی رفعتِ مکان کو آفتاب اور ماہتاب کی بلندتر ظاہر کیا گیا ہے، اور اسطرح اپنے آپ کو انکے آگے سجدۂ تعظیمی کے قابل بھی نہیں سمجھا،

کیا مدح اور تعریف کے یہ سارے اعتبارات کسی شاعر نے اپنے لئے استعمال کئے ہیں، یا کر سکتا ہے، کیا وہ ایسے اوصاف کو کثرت سے اپنی طرف منسوب کرسکے گا۔ جواب جب نفی میں ہے تو پھر مدح کسکی ہو،

کیا شمس تبریز اپنی زبان سے اپنی مدح میں اس کثرت اور عقیدت کو کام میں لاسکتے ہیں، ہرگز نہیں،

اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مدح یا مداحیہ کلام کسی طرح شمس تبریز کا اپنا نہیں، بلکہ کسی غیر کا ہے، جس کا دل اور زبان دونوں مدحِ شمس میں اپنی ارادت و

عقیدت کی تلقین پاتے رہتے،

چنانچہ اس سے دیوان بھرا پڑا ہے، دیوان کے علاوہ مثنوی معنوی میں کئی اشعار مدح ایسے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مادح کون ہے اور ممدوح کس کی ذات والاصفات ہے،

شمس تبریزی کہ نور مطلق است، آفتاب است وز انوار حق است،
چون حدیث روئے شمس الدین رسید شمس چارم آسمان رو در کشید،
خود غریبی در جہان چون شمس نیست شمس جان باقی ست کورا امس نیست
در تصور ذات او را گنج کو، تا درآید در تصور مثل او،

ہم مدح کے کچھ اور ایسے اشعار درج کرتے ہیں، جو مندرجہ بالا اشعار سے زیادہ واضح طور پر مدح کی نوعیت کو ظاہر کرتے ہیں،

زعشق شمس دین این طرفہ بیدے، کزان بیدم کشایش بو و چیدے
ز شمس الدین بود وصف خدائی کہ می جوشد بدریائے بقائے،
ز شمس الدین بود جانم شرابے کز و جانست سرمست و خرابے
خسرو مشرق شمس دین از تبریز چون رسید از مہ و از ستارگان واللہ عار آیدت
شمس تبریزی درآمد در دلم بہر نہاد وز شراب عشق او گشت این در و دیوار مست
شمس تبریزی بی تو شمس گردون ذرہ بے تو می یابد کسوف و با تو می یابد حیات

عقیدت مند مداح سارے عالم کو نور شمس سے پر نور پاتا ہے،

شمس تبریزی ز تو عالم پر از نور و صفات ذرہ ذرہ از محیط لطف آن آثار ہست
شمس تبریزی صلاح اہل عالم آمدست آنکہ خاک پایش آمد بے ریا مست آمدست

عشق شمس تبریز میں عقیدت مند شاعر سامان بقا دیکھتا ہے،

بعشق شمس تبریزی بده جان ، کہ تا چون عشق او پاینده باشی

مستیم ز جام شمس تبریز ، جام مئے او مباد بے ما

ایک غزل کا مطلع یہ ہے،

از دور بدیده شمس دین را ، فخر تبریز و رشک چین را

شمس سے ارتباطِ معنوی کا ذکر اس شان سے ہے،

شمس تبریزی جماعت از تو دارد جمعیت ، فرض و سنت نیست الا دوستی تو مرا

اس مخلص اور ارادتمند کو شمس کی نسبت سے شہر تبریز بھی عزیز تھا، شمس کی مدح سے تو دیوان بھرا پڑا ہے، لیکن تبریز کی ثنا و تعریف میں بھی کئی غزلیں ہیں، ان میں ایک غزل کا مطلع ہے،

دیده حاصل کن دلا وآنگہ ببیں تبریز را ، بے بصیرت کے توان دیدن چنیں تبریز را

ایک غزل کے آخر میں یہ مدحیہ اشعار مسلسل ہیں،

اے دل خامشی گزین وز بر ما جدا نشین ، تا ز جناب شمس دیں نور حیات میرسد

گوہر ناب شمس دین جام شراب شمس دین ، ہر شبم از عطاے او قدر و برات میرسد

نقل و کباب شمس دین چنگ و رباب شمس دین ، ہر نفسم ز بزم او بہره ثبات میرسد

اے شہ و شاه شمس دین قدرت حق جلال بین ، بشنو اے مرید جان کاین چہ برات میرسد

ہر کہ نام شمس تبریزی شنید و سجده کرد ، روح او مقبول حضرت شد انا الحق میزند

کیست آنکس کو چنیں مردی کند اندر جہان ، شمس تبریز آنکہ ماه بدر را شق می کند

شمس الحق تبریزی شاه ہمہ شیرانست ، در بیشۂ جان ما آن شیر وطن دارد

ہرگز نشو و غافل از ذات و صفات حق ، ہرکس کہ ز شمس یک ذره نظر یابد،

یہ پوری غزل مدحِ شمس ہی میں ہے،

جانم بفدائے شمس دین با — تا ہمچو رضائے شمس دین شد

جانِ ملکی و جسم خاکی ، — خاکِ کفِ پائے شمس دین شد

رضوانِ بہشت و ساکنانش ، — سرمست رضائے شمس دین شد

(الیٰ آخرہ)

انتہائی تعریف ہے ،

اے شمس الدین شاہ تبریز — از بندگیت شہنشہانیم ،

شمس الدین تبریزی برلوح چو پیدا شد — واللہ کہ بے منت برلوح وقلم دارد

کثرتِ مدح گوئی سے یارائے گفتن ہی نہ رہا ، تو فرماتے ہیں ،

شمس تبریز کنون کز تو سخن گشت بسیط — زہرۂ ما نبود تا دمِ گفتار زنیم

لیکن یہ عاشقِ مخلص و مضطرب جسکی گفتار کا جزو مدحِ شیخ ہے ، خود تعریف کرتے کرتے تھک گیا ہو تو دوسرون کو حکم دیتا ہو کہ شمس کی مدح کریں ،

اے حسام الدین بیان کن مدحِ آن سلطانِ عشق — گرچہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند

شمس تبریزی بتا وہ مست در دستش کمان — تیر زہر آلودہ را بر جانِ احمق میزند

یہ اشعار بھی مدحیہ ہیں لیکن تعریف و توصیف زیادہ نمایاں ہے ،

ان اشعار کو درج کرنے اور مبہم اور واضح مدحیہ اشعار کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اس مدح کی نوعیت ظاہر ہو جائے ، جو شمس تبریز کے نام کیساتھ دیوان شمس تبریز میں پائی جاتی ہے اس سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے ، کہ وہ کلام جس کے اجزا یہ مدحیہ اشعار ہیں ، خود حضرت شمس جیسے ولی کامل کا نہیں ہے ، کیونکہ اس مدح کی نوعیت کاملاً نہایت عقیدتمندانہ اور ارادتمندانہ ہے ، یہ تحسین ہرگز شاعرانہ تعلّی نہیں ہو سکتی ،

تاریخ و تذکرہ کے اوراق پیش نظر ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مداح کون ہو اور حضرت شمس سے اس قدر وابستگی کسکو ہو،

سپہ سالار[1] حضرت شمس اور مولینائے روم کے روابط کے ذکر میں لکھتے ہیں، جب جناب شمس دمشق تشریف لے گئے، تو مولینا نے کئی غزلیں لکھکر بذریعہ سلطان ولد حضور کی خدمت باسعادت میں روانہ کیں، ان میں حضرت شمس کی رفعتِ شان اور عظمتِ مقام کا ذکر اس رنگ میں ہو،

بخدائے کہ در ازل بودہ است — حیّ و دانا و قادر و قیوم
نور او شمع ہائے عشق افروخت — تا بشد صد ہزار سر معلوم
از یکے حکم او جہان پر شد — عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلسمات شمس تبریزی — گشت گنجِ عجائبش مکتوم

یہ مولینا روم ہیں، جنھوں نے شمس تبریز کو "گنجِ عجائب" لکھا ہے، اور خدائے قادر و قیوم کی قسم کے بعد حضرت شمس کی توصیف و تعریف کرتے ہیں، مندرجہ بالا مدحیہ اشعار اور اس تعریف میں قطعی یکسانیت ہو، ضرور ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدحیہ اشعار اور وہ کلام جس کے یہ اجزا ہیں، مولینا ہی کا ہے،

آخری شعر تو اس بات کی قطعی دلیل ہو کہ کلام مولینا ہی کی زبان فیض اثر پر جاری ہوا ہے، آپنے کثرت مدح و ذکر سے بیتاب اور ناتوان ہو کر حضرت حسام الدین کو حکم کیا ہے کہ وہ مدح اس سلطان عشق کی کریں، حضرت حسام الدین کی عظمت اور مولینائے روم سے ان کے روابط کا اندازہ سپہ سالار کے اس بیان سے ہو سکتا ہے،

"ذکر رابع در خلافت حضرت حسام الدین عظم اللہ درجاتہٗ"

---

[1] رسالہ سپہ سالار ص ۶۱

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ در حال حیات حضرت خداوندگار انہ سالم تمام و بعد از ان نیز شیخ قائم مقام و خلیفہ و امام تمامت اصحاب حضر لتین بود"

(سپہ سالار صـ۳ـ)

صرف مولینائے روم ہی کے ساتھ حضرت حسام الدین چلپی کے تعلقات اس قدر عاجزانہ اور مودبانہ تھے، کہ ان کے کوئی دوسرا شخص ان کو بطور حکم کچھ نہ کہہ سکتا تھا، کیونکہ انکا مرتبہ یہ تھا

"تمامت اصحاب ملازم ایشان بودند و ملازمت او تقرب بحضرت خداوندگاری جستند"

(سپہ سالار صـ۳ـ)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ سارے مدحیہ اشعار اس مداح کے ہیں، جس نے کثرت مدح سے تھک کر حضرت حسام الدین سے مدح کی فرمائش کی، اور تحقیق سے معلوم ہوا، کہ حضرت حسام الدین کو مدح کا حکم فرمانے والی مولینا روم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں ہو سکتی، بس دیوان شمس تبریز جو ایک حیثیت سے حضرت شمس کی مدح کا مجموعہ اور ان کے مناقب کا ذکر ہے، وہ مولینائے روم کا کلام ہے، اور مولینائے روم ہی جسم و جان سے عشق شمس اور مدح شمس میں منسلک بنے ہوئے ہیں،

زہیر عشق شمس الدین تبریز　　شدہ جان مضطرب دین چو زبانست

شمس الحق دین چو یم من مدحت او گویم　　از عشق رخش پویم آہستہ کہ سرمستم

سلہ مولینا روم کے ساتھ ان کے مودبانہ طرز عمل کے متعلق سپہ سالار کا بیان ہو صـ۳ـ "از جملہ آداب او آن بود کہ ہرگز در مدت ملازمت از حضرت خداوندگار قطعاً بتوضائی کہ بہ ایشان منسوب بود، در نیامد، در شبہائے زمستان بوجود سرما و برف باران بسرائے خویش رفتے و تجدید وضو کردہ باز آمدی و دائم در حضور خداوندگار قدس سرہ بزانوے ارادت نشستہ بودی، لاجرم بدین ادب سلوک یافت انچہ یافت"

فیوض حضرت شمس کا اعتراف ، ہم نے مدح شمس اوسکی نوعیت اور مداح شمس کے متعلق گفتگو کی ہے

حیرت یہ ہوتی ہے کہ مولانائے روم جیسا جلیل القدر عالم وعارف حضرت شمس کی مدح وثنا کیوں کرتا ہے، اور وہ بھی اس جوشِ عقیدت سے، کوئی شخص بے وجہ کسی کی ثنا و تعریف نہیں کرتا، یا تو کسی کا بیحد ممنون ہوتا ہے، یا اسے کسی صلۂ خاص کی امید ہوتی ہے ، درباری اور خوشامدی شعراء تو صرف طلبِ زر یا ہوسِ جاہ کے باعث اہلِ دولت کی مدح میں دل ودماغ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہیں، لیکن حضرت رومی جیسے عارفِ حق شناس کو کسی ایسے اعتبار سے کیا سروکار مولینا روم کو کوئی ایسا فیض باطنی اور نعمتِ عظمیٰ حضرت شمس کی ذات سے پہنچی ہے کہ انکی ثنا کرفطرت اوران کا قدر شناس دل اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا،

مولانائے روم حضرت شمس کی ملاقات سے پہلے زیادہ تر حیثیت ایک عالم ظاہر کے "احادیث رسول" سے واقف تھے لیکن جب شمس سے ملاقات ہوئی ، تو خاص طور پر "اسرار رسول" کا آفتاب جہانتاب ان کے مصفیٰ دل پر طلوع ہوا،

چون نور پاک شمس در پردۂ جان دید مش ۔۔۔ بے پردہ جان یافتم سررشتۂ اسرار را

شمس کی اس فیض بخشی اور نور افشانی کا اعتراف بارہا مختلف پیرایہ میں کیا ہے، ہم چند اہم مثالیں درج کرتے ہیں، جس سے حقیقتِ حال کا اندازہ ہو جائے گا،

حضرت شمس کے فیض معنوی کا اظہار فرماتے ہیں،

مگر تیر ز نور شمس تبریز ۔۔۔ تا کشف شود ہمہ معانی

شمس الحق تبریزمن این شہد شکر ریز من ۔۔۔ صد شور و شر انگندۂ اندر دلِ شیدا من

ہرکہ او با شمس تبریزی نشست ۔۔۔ گشت صافی دل ز انوار قصار

ز عشق شمس تبریزیست فیض دیدۂ باطن ۔۔۔ زہے تشریف کر ما ز ہی انوار ربانی

سجدہ کن بہر نفس از پئے شکر آنکہ حق — در تبریز مر مرا بندۂ شمس دین کند،

ہر کہ ز جان و دل نشد چاکر شمس دین ما — در رہ علم و معرفت غافل و کور می رود

بفروز شمع جان راز جمال شمس تبریز — کہ دلت شود مصفا ز کدورت نہانی

و اگر نہ اے دو دیدہ بدہم ز خاک تبریز — ز برائے کحل دیدہ بکف صبا غبارے

ز رحیق شمس دینم تو بیار بادہ ساقی — کہ شود سوار جانے و دل پیادہ ساقی

چو شمس الدین تبریزی شود سرمست جام حق — ہزاران گوہر معنی بفرق ما فرو ریزد

مولینا یہاں اپنی ممنونیت کی انتہا ظاہر فرماتے ہیں،

منگر از دیدہ انکار سوئے دیدہ شمس — ہر چہ ہستم سگ این کوچہ و این درگاہم

حضرت شمس سے اپنی نسبت کی نوعیت بیان فرماتے ہیں،

شمس تبریز کہ مشہور تر از خورشید است — منکہ پیمانہ ہنسم چو قمر مشہورم،

شمس تبریز بما راہ حقیقت بنمود، — ما ز فیض قدم اوست کہ ایمان داریم

جب حضرت شمس تبریز قونیہ تشریف لائے اور مولانا نے ان کی صحبت کیمیا خاصیت اختیار فرمائی تو یہاں اس صحبت نے خلوت کی صورت اختیار کی، شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کو خلوت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، اکثر اصحاب فیض صحبت سے محروم رہے، ایک مدت تک تحمل کرتے رہے، لیکن اس عالم فراق سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی، آخر کار بدبختی سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ پیدا ہوئی، اور انھوں نے متعصبانہ حرکات شروع کر دیں، اپنی ارادت کو شیخ کی ارادت پر فضیلت دی فسق کو عشق جانا، جب ان کی گستاخیاں حد سے زیادہ گزر گئیں، اور اندیشۂ فتنہ کا ہوا تو حضرت شمس از روئے مصلحت دمشق کی طرف روانہ ہو گئے، مولینا نے بھی سب سے متنفر ہو کر عزلت نشینی اختیار کی،

حضرت شمس کی جدائی کا ذکر دیوان میں،

"بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع وعزلت اختیار کرد"[۱]

حضرت شمس کے فیض اور ان کے دشمن کی بدبختی کا اظہار اس شعر میں کیا ہے،

اے شمس تبریزی مرا مقبول کامل ساختی — وآنکس کہ آہ دشمنت ملعون ابتر ساختی

ایک اور موقع پر حضرت شمس کے فیض کو اسطرح بیان فرماتے ہیں،

جان را برآرد بر سما از عزت رب العلا — گر زان کہ شمس الدین کند بر عاشق خو یاد وے

مولانا ہی وہ عاشق تھے، جن کی یاری اور دلداری کی خاطر حضرت شمس قونیہ تشریف لائے، سپہ سالار کی شہادت ملاحظہ ہو،

"سبب ہجرت مولنا شمس الدین تبریزی عزاسمہ بطرف روم و پیوستن بحضرت خداوندگار آن بود کہ وقتی مولنا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، در حال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف خواہی بطرف روم سفر کن در حال از ان جاے متوجہ ولایت روم گشت و شہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ حرسہا اللہ تعالیٰ برسید"

دیوان میں ایک اور شعر ہے، جس میں اسی واقعہ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے،

شمس تبریزی بروم آمد بر من شام بود — وقت صبحی من بہ تبریزش خرامان یافتم

اپنی سرمستی اور باطنی انقلاب کے متعلق لکھتے ہیں،

شمس الحق تبریزی تا داد مرا جامے — از جوشش صہبایش شوریدہ و سرمستم

اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ یہ شوریدہ و سرمست کون ہے، تو دیوان میں خود

[۱] سپہ سالار صفحہ ۶۶،

ہی جواب دیتے ہیں،

رومی پسر راہ ملامت شد و نشست ۔ اے خلق بدانید کہ ما عاشق و مستیم،

حضرت شمس کی ملاقات کا اثر: مولینا کی شاعری کا پیرا سکا ذکر دیوان میں

مولینا کی شمس سے ملاقات نہ صرف عاشقانہ مستی و شوریدگی کا باعث ہوئی، بلکہ سخن بخش بھی ثابت ہوئی، سماع اور شعر کا مشغلہ بڑھ گیا جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اسے موزون اشعار میں بیان کرتے تھے،

سخن بخش زبان من چو باشد شمس تبریزی ۔ تو خاموش تا زبانہا خود چو دل حساس باشند

ان اشعار اور اس بیان کا واقعات اور سوانح سے جو ربط ہے، ملاحظہ ہو،

سپہ سالار کا بیان ہے کہ صحبت شمس سے مولینا پر ایسی شوریدگی اور مستی طاری رہی کہ کھانے پینے کا بھی ہوش ٹھیک نہ رہا۔ چنانچہ پہلی ملاقات کا حال لکھا ہے:-

"در حال ہر دو فرو آمدہ ہمدیگر را معانقہ و مصافحہ کردند و چون شیر و شکر بہم در آمیختہ چنانکہ دفعہ اول مدت شش ماہ آزاد در حجرۂ شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ بہم صحبت فرمودند چنانکہ قطعاً و اصلاً اکل و شرب و حاجات بشری در مابین نبود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

یہ شوریدگی کا عالم تھا، اب نغمہ سرائی اور محفل سماع کی کیفیت سنئے، :-

"بعد ازان بیرون آمدہ حضرت خداوندگار را بسماع رغبت فرمود۔ و حقائقے کہ در شرح آن طولی و عرضے ہست در سماع بدیشان بیان فرمود و بعد از سماع صحبت ایشان مخصوص بود بمولانا شمس الدین"

(سپہ سالار ص ۶۶)

مناقب کا بھی یہی بیان ہے

"دائما اسرار و غزلیات می فرمود" (مناقب العارفین مطبع مفید آگرہ ص ۲۹۲)

مثنوی میں فیض شمس کا ذکر

مثنوی میں بھی حضرت شمس سے فیض کا ذکر مختلف مقامات پر ہے،

واجب آمد چونکہ بردم نام او ۔ شرح کردن رمزے از انعام او

از وجود ار سایہ نشانے می دھد ۔ شمس هر دم نور جانی می دھد

این نفس جان دامنم برتافتہ است ۔ بازگو رمزی ازان خوش حالہا

تا زمین و آسمان خندان شود ۔ عقل و روح و دیدہ صد خندان شود

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست ۔ شرح آن یارے کہ آنرا یار نیست

شمس در خارج اگر چہ ہست فرد ۔ مثل او ہم می توان تصویر کرد

لیک آن شمسے کہ شد مستش اثیر ۔ نبودش در ذہن و در خارج نظیر

ان اشعار سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کس آفتاب کے فیض کا ذکر کرتے ہیں، اور ان میں اور شمس میں کیا ربط ہے، دیوان میں جو اس نوعیت کے اشعار پائے جاتے ہیں، ان میں فیض رساں کون ہے اور فیضیاب ذات کس کی ہے،

بالآخر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیوان شمس تبریز جس میں اعتراف احسان اور تشکر فیضان شمس کے مندرجہ بالا اشعار پائے جاتے ہیں، مولینا روم ہی کا کلام ہے شمس کا نہیں ہے،

درد فراق کا اظہار

حضرت شمس کی مدح اور ان کی فیض رسانی کے اعتراف میں جو جو اشعار ہیں، وہ تو نظر سے گذر چکے، اور سوانح تاریخی کی روشنی میں یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ مدح کرنے اور فیض پانے والی ممنون احسان شخصیت کسکی ہے،

اب ہم ایسے اشعار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو حضرت شمس کی نامعلوم غیر متوقع جدائی پر لکھے گئے ہیں، ان میں آتش فراق اور دل کے اضطراب کی تصویر ہے،

زہے چشم مرا حاصل شدہ آئین خونریزی ۔ ز ہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

اندر طلب تو شمس تبریز، جائز است مدام جست وجوئی،

ز شمس الدین و لابس دور دوری ز دوری گوئی ہمچو نفخ صوری

اس نظم فراق میں یہ جو رنگ ہی، وہ خونِ جگر ہی کا نتیجہ ہے،

خود بین در نظم شعرم منگر ہمرا نکو، دیدۂ و دل را ز عشقش ہست خون بالائے

خون می جوشد منش از شعر رنگی می دہم نافہ خون آلود گرد د جامہ خون آلائے

من چون جانداری بدم در خدمتِ آن بادشاہ اینک اکنون در فراقش میکنم جاں ستائے

غمِ فراق درد بے دوا ہے،

از فراقِ شمس دین افتادہ ام در تنگنا او مسیح روزگار و درد چشم بے دوا

تا شمس تبریزی تمن دل بداے شوریدگان ہر روز از عشق رخش شوریدہ شوریدہ ترم

حالتِ جدائی میں بادِ صبا کے ذریعہ سلام اور پیام بھیجتے ہیں،

باد صبا سلامِ ما جانب شمس دین رسان کز نظر قبول او راہ بقا ببر برم ا

الا اے شمس دین یکدم عیاں شو، کہ در عشقت سرے دارم چون گوئی

درد فراقِ شمس کی منظوم تصویر تو دیوان میں ہم نے دیکھ لی، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ عاشق بیتاب کون ہی جو ہجرانِ شمس میں خونریزی کر رہا ہی، جس کی جستجو میں وہ مجسم طلب و دوام بنا ہوا ہے، جس کی شوریدہ سری اور خونچکانی کا یہ عالم ہے، کہ کلام سے یہ رنگ صاف ظاہر ہے، ہم تاریخ و تذکرہ سے دریافت کریں کہ وہ کون ہستی ہی جس کی فراقِ شمس میں یہ حالت ہوئی، تو امید ہے کہ ہمیں جواب شافی مل جائے گا، سپہ سالار حضرتِ شمس اور ان کے اصحاب کا معتبر ترین تذکرہ ہے لیکن اس میں کسی کے متعلق یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جدائی شمس سے انکا ایسا حال ہوا، اور ان کی بیتابی کی یہ کیفیت ہوئی، البتہ مولانائے روم کے دردِ جدائی شمس کے متعلق سپہ سالار کا یہ بیان ہی،

صحبت ایشان بخصوص بود بمولانا شمس الدین میدان سبب اکثر اصحاب از بندگی حضرت ایشان محروم می ماندند، ومدتے بسیار تحمل می کردند، مگر جراحات بعد را مرہم قربت از عالی بخشند ہرگز ممکن نه شد، لاجرم بواعث حسد در نفوس ایشان مستمر گشت۔ عاقبت غبار انکار را بروے کار آوردند وفسق را عشق شمردند، حضرت شان از غبار انکار آن جماعت برہم نمی شد۔ چون از حد تجاوز کردند دانست که بعضے خواہد شدن بفتنه بسیار جہت مصلحت وقت علی حین الغفله بمحروسه دمشق ہجرت فرمود، بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع وعزلت اختیار کرد۔ ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسه دمشق مکتوب آمد بعد از ان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت با زسماع شد وکلمات وغزلیات انشا فرمود۔

تذکرہ دو واقعات میں یہ حال سوائے مولانائے روم کے کسی اور سے منسوب ہی نہیں، اور یہ غزلیات وہی ہیں جنسے درد فراق اور غم جدائی کے چند اشعار ہم نے بطور مثال دیوان سے منتخب کرکے لکھے ہیں، حقایق حیات اور اشعار کا یہ واضح ربط اس امر کی کھلی ہوئی داخلی شہادت ہے کہ دیوان شمس تبریز حضرت شمس کا کلام ہرگز نہیں، بلکہ ان کے جان نثار و عاشق مولینا روم کا کلام ہے۔

ابھی سپہ سالار کے بیان سے معلوم ہوا کہ جب دمشق سے ان کے نام حضرت شمس کا خط آیا تو مولانا کو انکا پتہ لگا، اور یک گونہ اطمینان ہوا، دیوان میں اس مضمون کا ایک شعر ہے،

رسید مژدہ به شام است شمس تبریزی — چه صبحہا به نماید اگر به شام بود،

مولینا اس حال میں مقیم تو تھے قونیہ میں لیکن دل انکا دمشق میں تھا چنانچہ دیوان سے انکی بھی شہادت ملتی ہے:

ما عاشق سرگشته و شیدائی دمشقیم — جان دادہ و دل بسته سودائی دمشقیم،
از روم بتازیم دگر بار سوے شام — کز طرہ چون شام مطرائی دمشقیم
از مسکن معروف چو بگرفت دل ما — ما طالب تالیف ز ابنائے دمشقیم

(کلیات شمس تبریز ص ۴۷۸)

اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان ولد مع ایک مختصر جماعت کے طلب شمس کیلئے بجانب دمشق روانہ ہوگئے اور مولینا نے کئی غزلین لکھکر خدمت شمس میں روانہ فرمائیں،

"حضرت خداوندگار قدس سرہٗ این غزل را در طلب حضور شریف مولینا شمس الدین رضی اللہ عنہ انشا کردہ بصحبت سلطان ولد رضی اللہ عنہ ارسال فرمود،

بخدا این کہ در ازل بودست، حیئ ودانا وقادر قیوم،

اسی سلسلہ میں ایک شعر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ ایک غزل نہیں تھی اور بھی غزلیات تھیں،

پس بہ ذوق سماع نامہ تو، غزلے پنج وشش بشد منظوم،

(سپہ سالار ص ۷۶)

دیوان میں اسی واقعہ سے متعلق ایک غزل ہے کہ جس کا ایک شعر یہ ہے،:-

ز لوح عشق نوشتیم این غزلہا را، بہ شمس مفخر تبریز ازین غلام برید

حضرت شمس کی قونیہ کو واپسی، جب سلطان ولد حاضر خدمت ہوئے اور مولینا کا سلام و پیام پہنچایا تو حضرت شمس نے قونیہ کا عزم فرمایا،

"سلطان ولد با تمامت یاران ببندگیش در آمدہ سر بسجدہ عبودیت نہادند و سلام حضرت خداوندگار و مکتوب رسانیدند، مولینا شمس الدین بخندہ، خوش فرمود، مارا بسیم و زر چہ میفریبید، مارا طلب مولینائے محمدی سیرت کفایت است، و از سخن و اشارت او تجاوز چگونہ توان کردن ..... چون مصالح تمام شد عنان عزیمت بطرف قونیہ روان فرمودند ... چون خبر وصول ایشان بقونیہ برسید حضرت خداوندگار با تمامت اکابر و عالم باستقبال بیرون آمدند،.... ہر دو آفتاب حقیقت بہم دگر قرآن کردند.... حضرت خداوندگار قدس سرہ بشیوۂ اول بحضرت مولانا شمس الدین قدس اللہ سرہٗ در آمیخت"

دیوان میں حضرت شمس کی قونیہ کی واپسی پر جگہ جگہ مسرت و خوشی کا اظہار پرجوش طریقہ پر کیا گیا ہے:

مسکین دل و آوارہ آن گم شدہ یکبارہ   چون بشنود این چارہ خوش رقص کنان آمد
بہار آمد بہار آمد بہارِ خوش عذار آمد   خوش و سرسبز شد عالم اوان لالہ زار آمد

صنوبر گفت راہ سخت آسان شد بفضل حق   کہ ہر برگے کہ سر بر زد چو تیغ آبدار آمد
ز شمس الدین تبریزی رسد بادم نوروزی   کہ ہر قطرہ ازان جرعہ چو در شاہوار آمد

بہار آمد بہار آمد بہارِ مشکبار آمد   نگار آمد نگار آمد نگار بردبار آمد
سماع آمد سماع آمد سماعِ بے صداع آمد   وصال آمد وصال آمد وصالِ پایدار آمد

صلایا ایہا العشاق کان مہرو نگار آمد   میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد

مہ دی رفت و بہمن رفت ساقی نوبہار آمد   زمیں سرسبز و خرم شد اوانِ لالہ زار آمد
الا اے شمس تبریزی تو لی سبزی ہر بستان   شقائقہا و ریحان ہا ز خوبت خوش عذار آمد

حضرت شمس کی واپسی کے بعد ایک عرصہ تک علم و عمل اور ذوق و حال کی مجلس نہایت گرم رہی:

"مدتے بسیار بریں سیاق از وفاق بے نفاق روز و شب در ذوق و جمعیت می بودند
شب و روز بصحبت یک دگر مستغرق می بودند"

(سپہ سالار ص ۹۶)

اتفاقاً پھر بعض اصحاب کو حضرت شمس کی طرف سے خلش ہوئی، ان میں علاء الدین چلپی مولینا
کے فرزند متوسط بھی تھے، یہ لوگ حضرت شمس کے استخفاف پر آمادہ ہوئے، اور موجب انفعال حرکات
ان سے سرزد ہوئے، حضرت شمس کمال حلم سے خاموش رہے، لیکن ایک دن سلطان ولد کو اشارۃً اس
حال کی طرف توجہ دلائی، اور اسی دوران میں غائب ہوگئے،

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود حضرت خداوندگار علی الصباح چون در مدرسہ آمد،
و خانہ را از ایشان خالی یافت، چون ابر بخر شید و روز و شب در فراق آنحضرت غزلیات
بہ بیان می آوردند" (سپہ سالار)

دمشق کی طرف حضرت شمس کی دوبارہ واپسی، دیوان میں اوس کی شہادت، | دیوان میں اسی واقعہ کی طرف
اشارہ ہے،

شہ شمس تبریزی مگر چون باز آمد از سفر | یک چند بود اندر شبش بہ چون عقابے نشان

آخر کار درد ہجر کی شدت سے بیتاب ہو کر حضرت شمس کی تلاش میں مولینا دمشق تشریف
لے گئے، کئی اصحاب بھی ہمرکاب سعادت تھے،

"حضرت خداوندگار اعظم اللہ ذکرہ جہت حکمت و مصلحت بطلب ایشان باتمامت عزیزان
و مقربان بمحروسہ دمشق رفتند" (سپہ سالار ص ۶۹)

مولینا کا سفر دمشق، دیوان میں اس واقعہ کا اظہار، | دیوان میں اس سفر کے متعلق یہ شعر ہے:-

از حد چو بشد درد دم در عشق سفر کردم | یارب چہ سعادتہا کز این سفرم آمد

تاریخ اور دیوان کے اس ربط سے ہمارے اس دعوی کی مزید تصدیق اور تائید ہوتی ہے
کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے ابیات کا مجموعہ اور انہی کے جذبات کی ترجمانی ہے،

غزل را از زبان شاہ گفتم | کہ شاہم جز کہ چو یارا نخواہد،

چند مزید قطعی شہادتیں

اب تک داخلی ثبوت میں جو براہین ہم نے پیش کئے ہیں، ان کے اثبات کیلئے تاریخ و تذکرہ سے مقابلہ کرنا پڑا لیکن ذیل میں ہم ایسے دلائل پیش کرتے ہیں، جو اپنے آپ اس امر کے قطعی ثبوت ہیں، کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کے افکار کا مجموعہ ہے۔

ہم نے گذشتہ بحث میں یہ بیان کیا ہے، کہ مولینا اپنے اشعار میں اپنا نام یا تخلص باندھنے کی رسم عام کے پابند نہیں ہیں، اکثرت غزلیات میں تو حضرت شمس کا نام آیا ہے لیکن یہ ثابت ہو گیا کہ اسکی نوعیت صاحب کلام شاعر کے تخلص کی بالکل نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ "اسم ممدوح" کی حیثیت رکھتا ہے، اسکے برعکس جیسے مثنوی میں بھی مولینا کی عادت ہے، دیوان میں بھی کہیں کہیں کسی موقع پر اپنا تخلص و نسب (رومی یا ملائے رومی یا لقب مخفف (جلال) یا خطاب (مولینا) لکھدیا ہے، جو اس امر کی قطعی شہادت ہے کہ دیوان مولینا کا کلام ہے، کیونکہ اگرچہ ان کا نام چند مواقع پر آیا ہے لیکن اسکی حیثیت ممدوح کی سی نہیں جیسے باوجود کثرتِ ذکر کے حضرت شمس کے اسم کی حیثیت ہے، بلکہ یہ نام اس طرح استعمال ہوا ہے جیسے کسی شاعر کا نام یا تخلص اسکے کلام میں آتا ہے۔

مولینا دیوان میں اپنی طرف بلفظ مولینا اشارہ کرتے ہوئے اپنی محفل سماع کا ذکر اسطرح فرماتے ہیں

سماعی می رود در مجلس ما ۔۔۔ کہ ذوقش می کند هفت آسمان طے

شراب و شاہد و شمع است مجلس، ۔۔۔ نوائے ارغنون و نالۂ نے،

درمے خانۂ باقی کشادیم، ۔۔۔ صلا در دہ آیا ساقی مگو کے،

درین دریائے توحیدش شدم گم ۔۔۔ نہ بے وے می توان بودن نہ باوی

چو مولینا برقص آید زمستی، ۔۔۔ برقص آیند موجودات باوے

معاً اپنے آپ کو شاعرانہ طور پر غیر فرض کرکے اور اس کا اعتراف فرماتے ہیں، کہ یہ سب کچھ ان کو حضرت ہی کے طفیل سے حاصل ہے،

نہ مولیناست ایں بحر در افشاں — حقیقت شمس تبریزی ست باشے

حضرت شمس کا نام بار بار دیوان میں کیوں آتا ہے، اس حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہیں:

نام شمس الدین تبریزی کہ ہی گوہر دے — تا بگیرد شعر و نظمت رونق و رعنایئے

اس مضمون کے دو شعر اور ہیں:۔

برخوان تو حدیث شمس تبریز — خوش باش ازین و آن بہ پرہیز

مفخر تبریز جان شمس حق اے یار ما — رونق گفتار ما ئی اے زینت اشعار

دیوان کو دیکھئے تو یہ ان دونوں صفات کا حامل ہے، جو اسکے ان دو اشعار میں بیان کئے گئے ہیں، دیوان میں جذبات محبت کی جو شدت ہے حضرت شمس ہی کی وجہ سے ہے، جوش عقیدت کے جو مضامین باندھے گئے ہیں وہ دیوان کی رونق و رعنائی میں اضافہ کرتے ہیں۔

ایک خاص ثبوت۔ | ایک نصیحت آمیز غزل کے چند اشعار یہ ہیں:۔

ای ز اقلیم عدم آمدہ در ملک وجود — ہیچ دانی کہ ترا آمدن از بہر چہ بود

بندۂ بادشہی شاہ فرستاد ترا — تا تو خود را بشناسی و بدانی معبود

اس ناصحانہ کلام کے مقطع میں ارشاد ہوتا ہے،

این نصیحت کہ شنیدی سخن مولیناست — گفت شمس الحق تبریز بدنیسان فرمود

اپنا حال | ایک غزل اپنے متعلق لکھی ہے، جس کا مطلع ہے،

وقت سحر گہ از درم ملائی رومی میرسد، — قم گفت اے دیوانگان ملائی رومی میرسد

گفتم کہ تو دیوانہ گفتا تو ہم دیوانہ شو — از خویشتن دیوانہ شو ملای رومی میرسد

مقطع میں بھی حضرت شمس سے خطاب ہے،

ای باد صبح آخر بگو با شمس تبریزی خود — طبل و علم بر عرش بر ملای رومی میرسد،

اپنے آپ کو مطرب شمس کی حیثیت سے ان کی مدح میں ایک غزل لکھنے کا حکم دیتے ہیں،

ای مطرب شمس دین بگو این غزل از برائے ... تا دل و جان و دیدہ را بر سر نائی و دف کند

شمس تبریز اور مولینا کا ربط، دیوان میں مولینا نے اپنے اور شمس تبریز کے ربط کا بکثرت مختلف پیرایہ میں اظہار فرمایا ہے، ایک موقع پر فرماتے ہیں،

شمس تبریز است مولانائے روم، جملہ عالم عاشقاں را سود باد،
رومی روز عید ہزیمت چہ دست یافت ... از تخت ملک زنگی شب را فرو کشید
شما ایمان نگاہ دارید محکم ای مسلمانان ... کہ مولانائے رومی شود مسلمان بو کہ کافر شد

مولینا نے سلطان ولد کو بھی حضرت شمس کی عقیدت و ارادت کے سپرد کر دیا، جو ان کے محبوب ترین فرزند تھے، فرماتے ہیں،

چو مولینا ولد را داد بخشش، ازین پس ہیچ دنیا را نخواہد،

مولینا اکثر غلبۂ حال کے وقت اشعار اور غزلیات لکھتے تھے، ان میں انکے جوش عشق کا تو اظہار پوری طرح ہوتا ہے لیکن حسن بیان، اور شعر کے ظاہری محاسن کی انھیں کچھ پروا نہیں، اسپر خود ہی اظہار خیال فرماتے ہیں،

شمس تبریز بجز عشق ز من ہیچ مجوئے ... زان کسے داد سخن جو کہ سخنداں باشد

ایک شعر میں مولینا رومی اپنا آپ اقرار فرماتے ہیں، کہ مولینا رومی کون ہیں، جس سے اس لفظ کے متعلق شک و شبہہ دور ہو جاتا ہے،

مولانۂ رومی منم سبلت کن شیطان منم ... تازہ کن ایمان منم دم ز اللہ ہو زنم
ہم پیرم و برناستم ہیر استم برناستم ... پنہا منم پیدا منم من میر مولانا ستم
بوئے خمش را در کوزہ فقاع کرد ؟ ... شد ہزاران ترک رومی بندۂ ہندوئے خم

ایک غزل میں حضرت شمس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار بڑے جوش سے فرماتے ہیں،

گر بزنی مجرم جز راہ عشق نسپرم ۔۔۔ رومی خستہ خاطرم دست تست و دامنت،

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولینا کس کے دامن کے متعلق فرما رہے ہیں یعنی "دامنت" میں کس سے خطاب ہے، جواب دوسرے شعر میں ہے،

شمس جلال من توئی صبح وصال من توئی ۔۔۔ واقف حال من توئی دست تست و دامنت،

مولینا کا تخلص، مولینا کا کوئی تخلص خاص طور پر معین نہ تھا، کہیں مولینا کہیں رومی استعمال کرتے ہیں، کہیں اپنے لقب جلال الدین کا پہلا جزو لفظ جلال استعمال کرتے ہیں، سپہ سالار میں ایک شعر نقل کیا گیا ہے[1]

چگونہ بر پرد جان چو از جناب جلال ۔۔۔ خطاب لطف چو شکر بجان رسد کہ تعال

دیوان میں بھی اس کا استعمال بعض مواقع پر کیا ہے،

گر تو شوی تابع مولینا جلال ۔۔۔ اظہر شمس است یقین رہبرم

بگفت مرد آنجا کہ ناگہاں چو جلال ۔۔۔ میان فتنہ بے حد و منتہات نہند

اس غزل کی قطعیت پر ایک دلیل مزید یہ ہے، کہ مناقب العارفین میں شعر کیساتھ ساتھ اس امر کی تصریح ہو کہ مولینا نے اسے کس محل پر فرمایا[2]

ایک خاص دلیل، واقعات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت شمس کی خاطر مولینا سخت امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے، بیٹے علاء الدین، اور دیگر عزیزوں سے تعلق منقطع کر لیا، انکی طرف دیوان میں اشارہ فرماتے ہیں،

خاموش کہ بہر شمس تبریز ۔۔۔ در کورۂ نار امتحانم،

---

[1] سپہ سالار صفحہ ۵۔ [2] سپہ سالار ص ۶۰، ۹ و مناقب العارفین میں بھی یہ حال تفصیل سے درج ہے،

مولینا کا ایک خاص اقرار

اس بحث سے جو ہمارا مدعا ہے، مولانا نے اسے خود فرمایا ہے،

غزل را از زبان شاہ گفتم، کہ شاہم بزکہ بویارا نخواہد،

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ شاہ سے مراد کون ہے، دیوان ہی میں مولانا اس کا جواب دیتے ہیں کیونکہ مولانا اس لفظ سے بکثرت حضرت شمس تبریز کو مخاطب فرماتے ہیں،

از شاہ عالم شمس دیں پیغام آمد نازنیں کز جان بروانگہ نشیں در مقعد صدق صمد

جان جہان فخر دیں تبریز شاہ شمس دیں زان قربت عین الیقیں بر جان و دل محکم زند

یہ قطعی شواہد تھے، جن سے یقین کامل ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانا ہی کا نتیجہ فکر ہے،

ان کے علاوہ کئی اور مختلف نوعیت کے شواہد ہیں، جو اثبات مدعا میں معاون ہیں،

مولینا کے معاصرین و مریدین اور ان کا تذکرہ

دیوان میں حضرت صلاح الدین زرکوب کی تعریف

حضرت مولانا صلاح الدین مولینا کے برادران راہ اور خاص رفقائے بزم میں ہیں، یہ بھی حضرت کے فیض یافتہ تھے حضرت شمس اور مولینا کی خلوت میں، انہی کو رفاقت کا شرف حاصل ہوا تھا، حضرت شمس کی جدائی کے بعد مولینا نے انہی کی صحبت میں سکون پایا،

"بعد از غیبت مولینا شمس الدین تسکین و آرام بحضرت شان یافتند"

دیوان میں اس صورت حال پر ایک غزل ہے،

آفتابے تافت بر دل از حجاب کبریا شعلۂ آن نور سکر طلعت شمس الضحیٰ

اے خداوند شمس دیں یکدم بلطف و مرحمت با من سرگشتہ و مجنون و شیدائی درآ

لیکن پھر اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں،

آن ضیا نوریست روشن از حسام الدین ما با صلاح الدین کہ ذاتش نور بخش اولیا

ان سے تعلق نہ صرف روحانی تھا، بلکہ وہ مولانا کے رشتہ دار بھی تھے، اسلئے کہ مولینا نے سلطان ولد کا نکاح انکی صاحبزادی کیساتھ کر دیا تھا، سپہ سالار کا بیان ہے،

"حضرت خداوندگار را با شیخ تعلقی و موانستی تمام بود"،

مولینا کی نظر میں ان کی عزت و عظمت بھی بہت تھی،

"پیش از خلافت چلپی حسام الدین رجوع ہمہ مریدان بحضرت او بود"

سلطان[1] ولد نے بھی ان تعلقات اخلاص و محبت کا ذکر اپنی مثنوی میں کیا ہے، ایک دن مولینا شمس کے فراق میں بازار کی طرف نکلے، راستہ میں شیخ صلاح الدین کی دوکان پر سے گذر ہوا، وہ زرکوبی میں مشہور تھے، مولینا پر اس آواز سے حالتِ وجد طاری ہوئی، انھوں نے یہ حال دیکھکر اپنا شغل جاری رکھا، اور نقصان زر کی فکر نہ کی، مولانا ہم آغوش ہو کر جوش اور مستی میں یہ شعر پڑھنے لگے[2]

یکے گنجے پدید آمد ازیں دوکان زرکوبی — زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

کلیات[3] میں بھی یہ شعر موجود ہے،

یکے گنجے پدید آمد ازیں دوکان زرکوبی — زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

(کلیات شمس تبریز ردیف ی)

ان کی موت کا مولینا کو بیحد رنج ہوا، چنانچہ سپہ سالار لکھتے ہیں کہ

"حضرت خداوندگار عظم اللہ ذکرہ در فوت ظاہر ایشان رقت بسیار فرمود بعزت و تعظیم ہرچہ با تمامت اعاظم و اکابر قونیہ تشیع جنازہ کردند، و ایں غزل را در ثواب جمال ایشان انشاء فرمودند"

[1] مثنوی سلطان ولد نسخہ قلمی دربیان مناقب صلاح الدین زرکوب، [2] سپہ سالار ذکر صلاح الدین زرکوب فیہ مافیہ مطبع معارف، [3] کلیات شمس تبریز ص ۹۹۰، ردیف ی،

اے ز ہجران فراقت آسماں بگریستہ ۔۔۔ دل میان خوں نشستہ عقل وجاں بگریستہ

یہ غزل کاملاً دیوان شمس تبریز میں موجود ہے، ہم چند اشعار مثالاً درج کرتے ہیں،

اے ز ہجرانت زمین و آسمان بگریستہ ۔۔۔ دل میان خون نشستہ عقل و جاں بگریستہ

شہ صلاح الدین برفتی اے ہمائے گرم رو ۔۔۔ ہم کسے باید کہ داند بر کساں بگریستہ

بر صلاح الدین چہ داند ہر کسے بگریستن ۔۔۔ از کمان جستے چو تیرے دل کمان بگریستہ

رسالہ سپہ سالار میں ایک اور غزل حضرت زرکوب کی تعریف میں ہے،

مطربا اسرار ما را باز گو ۔۔۔ قصہ ہائے جانفزا را باز گو

ما دہان بر بستہ ایم امروز ازو ۔۔۔ تو حدیث دل کشا را باز گو

مخزن انا فتحنا بر کشا ۔۔۔ سترجان مصطفٰے را باز گو

چون صلاح الدین صلاح جان ماست ۔۔۔ آن صلاح جانہا را باز گو

دیوان میں بھی یہ غزل موجود ہے،

صلاح الدین کی تعریف مین یہ اشعار قطعی طور پر مولینا کے ہیں، اور دیوان شمس تبریز مین پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا ہی کا کلام ہے تذکرہ نویسوں نے حضرت زرکوب کی جو تعریف و توصیف کی ہے، اس غزل میں اس کا ذکر کیا ہے، اگر حضرت شمس کے اشعار ان کی تعریف میں ہوتے، تو اس کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا، کیونکہ سپہ سالار میں حضرت شمس اور زرکوب کے ربط و تعلق کا ذکر موجود ہے، اصل میں مدحیہ اشعار اس تعلق کا آئینہ ہیں، جو حضرت زرکوب اور مولانائے معنوی میں تھے،

ان اشعار کے علاوہ کلیات میں حضرت زرکوب کے مناقب میں کئی اور اشعار ہیں، جو اس خیال کی تائید و توثیق کرتے ہین،

نعم دو جہان صلاح دین است ‏ ‏ کاندر دو جہان غریب تنہاست

چون صلاح الدین بوجد اندر بیاید نزد ما ‏ ‏ شکر گفتم کان رفیق با صفا مست آمدست

فرماتے ہیں کہ صلاح الدین کی صحبت سے فساد باطن رفع ہو جائے گا،

چون رسیدی تا بشہ صلاح الدین، ‏ ‏ گر فسادی شوی صلاح آئی

از شاہ صلاح الدین چون دیدہ شود حق بین ‏ ‏ دل رو بصلاح آرد جان شعلہ بر آید

دوش در خواب بدیدم صلاح الدین را ‏ ‏ گسترد سایہ دولت چو ہمائے برسد

جان حق است شاہ صلاح الدین ‏ ‏ کو ز اسرار کردگار بود،

لطفہائے راکہ با ما شہ صلاح الدین کند ‏ ‏ خضر جان گر باز بیند دم بدم تحسین کند،

| حضرت حسام الدین چلپی کی تعریف، |

حضرت صلاح الدین زرکوب کے بعد مولینا کے رفیق خصوصی حضرت حسام الدین چلپی ہوئے، بنہایت صدق اشعار اور ادب شناس واقع ہوئے۔ تمنی طبع کریم اور سیر رضا حلیم پائی تھی، گفتگو میں جامعیت تھا، اور ظہور حال سے اصحاب قال کی مشکلات حل فرماتے تھے، مولینا سے مودت واخوت، عقیدت اور ارادت کے خاص تعلقات تھے، سپہ سالار کا بیان ہے،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ ودر حال جناب حضرت خداوندگار دہ سال تمام و بعد ازان نیز شیخ وقائم مقام وخلیفہ وامام تمامت اصحاب حضرتش بود، وتمامت اصحاب ملازم ایشان بودند و بملازمت او تقرب بحضرت خداوندگاری جستند[1]،"

حضرت مولینا کے صفات کے مظہر تھے، مثنوی معنوی انہی کی تحریک پر لکھی گئی تھی، مولینا نے مثنوی میں سوائے دفتر اول کے ہر دفتر کے آغاز میں خصوصیت اور تصریح کیساتھ ان سے خطاب کیا ہے، اور متعدد مقامات پر نہایت جوش اور ذوق کے ساتھ ان کی تعریف و توصیف کی ہے، ان سے نہایت محبت وخلوص کا اظہار کیا ہے، جیسے کوئی مرید عقیدت مند اپنے مرشد کا ذکر کرتا ہے،

[1] سپہ سالار ص ۱۱۲،

یہی حال زندگی کے تعلقات میں بھی تھا،

"حضرت خداوندگار سلوک بدیشاں بوجہی فرمود کہ کسے گمان بردی کہ مرید ایشان است"

"وبحقیقت مظہر تمام حضرت خداوندگار ما بود، وتمامت مثنویات بالتماس ایشان مؤلف گشتہ

است،........ دربیان مثنویات حقایقے کہ مکتوب است اشارت بسلوک چلپی دارد"

"...دیباچہ تمامت مثنویات مزین است، بالقاب شریف او"[1]

مثنوی[2] سے نمونہ کے طور پر چند مدحیہ اشعار ہم درج کرتے ہیں،

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران گفتہ آید در حدیث دیگران،

اس شعر میں اشارہ شمس تبریز کی طرف ہے، لیکن شعر حسام الدین کے اس اصرار کا جواب

ہے، کہ کلام میں شمس تبریز کے حالات وضاحت سے بیان کئے جائیں،

دفتر دوم کا دیباچہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد مہلتے بائیست تا خون شیر شد

چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں باز گردانید ز اوجِ آسماں

چوں بمعراجِ حقایق رفتہ بود بے بہارش غنچہا ناشگفتہ بود،

دفتر سوم میں ہے،

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

چوتھے دفتر میں یوں خطاب فرماتے ہیں،

ہمچناں مقصود من زیں مثنوی اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

دفتر پنجم میں فرماتے ہیں،

[1] سپہ سالار صـ۱۴۲، [2] مثنوی مولانا روم کامل مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۲۹۱ھ،

شد حسام الدین کہ نور انجم است | طالب آغاز سفر پنجم است،
گر نبودی خلق محجوب و کثیف، | در نبودی حلقہا تنگ وضعیف،
در مدیحت داد معنی دادمی، | غیر این منطق لبے بکشادمی

دفتر ششم میں انہی کی توصیف بیان کی ہے،

حیات دل حسام الدین بسے | میل من جوشد بقسم سادسے،

اسی طرح دیوان میں بھی ان کی تعریف وتوصیف کے نغمے موجود ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز صاحب مثنوی ہی کا کلام ہے، واقعات زندگی مثنوی اور دیوان اس بارے میں ہم آہنگ ہیں، تاریخ اور تذکرہ شاہد ہے کہ مولینا کے سوا کوئی اور شخص ایسا نہیں جس کے ساتھ حضرت حسام الدین کے تعلقات اس نوعیت کے رہے ہوں،

آن ضیا نوریست روشن از حسام الدین ما | با صلاح الدین کہ ز آتش نور بخشد اولیا
اے شہ حسام الدین ما اے معدن نور وضیا | اے باتو جانہا آشنا مستان سلامت میکنند
اے حسام الدین جان کن مدح آن سلطان عشق | گرچہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند
اے شہ حسام الدین حسن میگوئی باجانان کہ من | جان را خلاف معرفت بہر حسامت میکنم
حسام الدین صلاح الدین صالح | خمش کردم خموشی غم گسار است

عطار وسنائی کی تعریف، | فارسی کے صوفی شعرا میں حکیم سنائی، اور حضرت عطار رح کو اولیت کا شرف حاصل ہے، سنائی اور عطار کے کلام اور معنوی پیام دونوں کے اثرات مولانا پر ہوئے تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں، کہ جب حضرت بہاء الدین بلخ سے قونیہ تشریف لے جارہے تھے، تو نیشاپور میں حضرت عطار ان سے شرف نیاز حاصل کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوئے، مولانا رومی کو اپنی کتاب اسرار نامہ تحفۃً عنایت کی اور مولینا کی آتش افروزیٔ عشق کے متعلق پیشینگوئی فرمائی،

"در اثنائے آں سفر بہ نیشاپور رسید، شیخ فرید الدین عطار بہ دیدن مولانا بہاء الدین آمد، آں وقت مولینا جلال الدین کودک بود، شیخ عطار کتاب اسرار نامہ را ہدیہ بہ مولنا جلال الدین و مولینا بہاء الدین گفت زود سے باشد کہ ایں پسر آتش در سوختگان عالم بر زند۔"

مولینا نے مثنوی میں حضرت عطار کا ذکر تعظیم واحترام کیساتھ کیا ہے۔ اور ان کے اشعار کو بعض بعض مقامات پر اپنے اشعار میں ضم کیا ہے یہی رنگ دیوان میں بھی ہے، عطار و سنائی کی تعریف و توصیف فرمائی ہے، انکے مرتبہ و عظمت جلال اور مرتبت کی داد کھلے دل سے دی ہے،

گر و عطار گشت مولینا ــــــ شربت از دست شمس بود نوش

هفت شهر عشق را عطار گشت ــــــ ما هنوز اندر خم یک کوچه ایم

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ــــــ ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

معشوق و عاشق ہر سہ یکے بود ــــــ یکبار چون سنائی سردار آمدیم

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں،

آں تنا جو کش سنائی شرح کرد ــــــ یافت فردیت و عطار آں فرید

دست در دامن خورشید حقیقت زده ایم ــــــ چنگ دل نیز دراں طبلهٔ عطار زنیم

در آں طبلہ شکر پر کرد عطار ــــــ بگرد طبلۂ عطار گردیم

یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے، کہ دیوان جس میں یہ اشعار پائے جاتے ہیں، عطار اور سنائی کے کلام سے متاثر ہونے والے شاعر مولینائے روم کا کلام ہے، نہ کہ حضرت شمس کا،

سپہ سالار کی تعریف،

سپہ سالار اور تذکرۂ سپہ سالار کے متعلق ہم پچھلے باب میں تصریح کر چکے ہیں، سپہ سالار مولانا کے خاص مرید و ان سے تھے، تقریباً چالیس سال تک خلوت و جلوت میں مولینا کے ساتھ رہے

---

۱ کلیات شمس تبریز ص ۲۹۵، ۲ دیوان شمس تبریز ص ۲۳، ۳ ایضاً،

مولانا سے ارادت و عقیدت انھیں بے حد ہے تذکرۂ سپہ سالار جو مولینا کے حالات میں معتبر ترین تذکرہ ہے، اسکی کافی دلیل ہے،

وہ خود اپنے حال میں لکھتے ہیں:-

"خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمت حضرت او مستغرق داشتم ۔۔۔۔۔ لاجرم از محبت عشق او هزار بار سوختم و از خودی خود محو گشتم" (سپہ سالار ص۴)

دیوان میں مولانا نے ان کی بھی تعریف فرمائی ہے،

چو خورشید ست یار من نمی گردد بجز تنہا ۔۔۔ سپہ سالار مہ باشد کزاستارہ حشم دارد

یہ بھی ہمارے دعوے کا اک داخلی ثبوت ہے،

سلطان ولد سے خطاب، سلطان ولد مولینا کے محبوب ترین فرزند ہیں، حضرت شمس تبریزی کی آپ پر خاص عنایت تھی، انھیں سے مرید ہوئے، ربط ارادت نہایت قوی تھا،

مولینا دیوان میں کبھی کبھی حضرت سلطان ولد سے بھی خطاب فرماتے ہیں، حجاب خودی کے متعلق سلطان ولد کو نصیحت فرماتے ہیں:-

اے ولد پند او بند است حجاب اندر رہش ۔۔۔ چو ازیں بند در گذشتی جز وصال یار نیست

ولدی گوئی در عشقش غزلہا ۔۔۔ چنانکہ گفت عطار و سنائی،

ایک اور ہدایت فرماتے ہیں،

مشو مولا سے ہر ناشستہ روئے ۔۔۔ کہ تا ایں عشق مولانا نماند،

حضرت شہاب الدین سہروردی کا ذکر، مولانا نسباً صدیقی ہیں، سلسلۂ نسب میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، آپ کے علم اور حقیقت شناسی اور شہرت کا دور دور شہرہ تھا، معاصر صوفیہ دور دور سے دریافت مسائل میں ان سے رجوع کرتے، مولینا کے معاصر

بھی تھے۔ مولانا ان کی وفات کے بعد بھی عرصہ تک بقید حیات رہے، مولینا نے دیوان میں ان کی ناموری کا بطور مثال تذکرہ فرمایا ہے،

شہاب آتش ما زندہ باد — چو القاب شہاب سہروردی

(کلیات شمس تبریز ص ۸۴)

اوحد الدین کرمانی کا ذکر تذکرہ نویس لکھتے ہیں، کہ جس زمانہ میں مولینا کا قیام دمشق میں تھا، مولینا شیخ اکبر حضرت محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ صدر الدین قونوی کے ہم صحبت رہے ہیں، ان بزرگان امت میں ہر ایک اپنی آپ نظیر تھا، مولینا سے اور ان اولیاے کبار سے حقایق اور اسرار دین پر گفتگو ہوتی رہتی تھی، سپہ سالار نے بھی اسکی تصریح کی ہے،

"وقتے کہ خداوندگار ما در محروسۂ دمشق بود، چند مدت با ملک العارفین موحد مدقق کامل مکمل صاحب الحال والقال شیخ محی الدین ابن عربی و سید المشائخ والمحققین الشیخ السعد الدین حموی واز سید المشائخ شیخ عثمان الرومی و موحد مدقق عارف کامل نقیر ربانی شیخ اوحد الدین الکرمانی و ملک المشائخ والمحدثین شیخ صدر الدین قونوی صحبت فرمودہ اند و حقایقے کہ تقریر آن طولی دارد، بہمدیگر بیان کردہ، رضوان اللہ علیہم اجمعین،

(سپہ سالار ص ۱۴)

مولانا نے دیوان میں بھی اوحد الدین کرمانی کے فیض روحانی کا تذکرہ فرمایا ہے، جو غالبًا اسی صحبت کا اثر ہے،

ایک مکالمہ کے طور پر فرماتے ہیں،

پیر چو نبض من سوختہ را تجربہ کرد، — گفت ہیہات کہ آن زہرہمہ سودا بود

مطلب مقصد عشاق دریں دشت فنا — نہ علوم و نہ فضائل و نہ با نسبت نہ وجود

این بگفت و نفس قدرت بمن درنگریست — نظر او ہمہ ہستی ز دل من بربود

گفت اکنون برو و بادہ خور و شاد بزی — دور باش از رہ سالوسی و از دلق کبود

کہ دریں رہ ہمگان از دل خود بیخبراند — مومن و مشرک و ترسا و مجوسی و جہود

گفتم اے شیخ ز حالت خبری دہ تحقیق — کہ دریں دم نفست بر من مسکین بخشود

این چنیں حال مرا پیش نیامد ہرگز — چو بیامد تو ببخشائے و بکن فیض وجود

پیر حال من آشفتہ چو در حیرت دید — بجواب آئینہ جان مرا پاک زدود

نرم گفتا کہ مرا اوحد کرمانی دان — کہ بارشاد من آید در عبدیت بشہود

ایک غزل میں جو ابنائے عالم پر کہی گئی فرماتے ہیں:-

گر اوحد دہر خویش باشی — ناگاہ رواں شوی چو آحاد

بابِ دُوم

مولانائے روم کی غزلیات کی خصوصیات

محاسن و معائب

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

(سنرو معی)

ایران میں شاعری کا آغاز قصیدہ گوئی سے ہوا، اسکے قدردان "اہلِ دل" نہیں بلکہ اہلِ زر اور "صاحبِ امارت" تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ گوئی ذریعۂ معاش بن گئی، اس میں جوشِ دل، صداقتِ احساس اور جذبات کی ترجمانی کو بہت کم دخل تھا،

قصیدہ کا لازمی جزو تشبیب ہے، اور یہی غزل کی بنیاد ثابت ہوئی، ادھر توجہ ہوئی، تو بعض باکمال قصیدہ گو شعرا نے غزل سرائی کی لیکن وہ عندلیب گلشن نہ ثابت ہوسکے، ان کے دلوں پر عشق کی چوٹ نہ تھی، ان کے جگر میں زخمِ محبت نہ تھا، انوری، خاقانی، اور ظہیر فاریابی وغیرہ کی غزلیات اثر دل آویزی اور گرمیِ جذبات سے خالی ہیں، زمانہ کا رنگ بدلا، مغلوں کے حملوں نے قصیدہ کے ان قدرداں درباروں کا خاتمہ کر دیا، قصیدہ گوئی کا بازار سرد ہوگیا، اور فطری شعراء جوشِ طبیعت کے تقاضے سے اپنے جذبات کی بے لوث ترجمانی کی طرف متوجہ ہوئے، تو اصنافِ سخن میں سے غزل "زبانِ حال" قرار پا گئی

غزل کی خوش قسمتی ہے، کہ شیخ سعدی نے یہ نغمہ کچھ ایسی دلآویزی سے چھیڑا، کہ ہر زندہ دل اس سے مسحور ہو گیا، خسرو اور حسن دہلوی نے تو اوسے بولتا جادو بنا دیا، لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے، کہ جن اہلِ دل اور اہلِ زبان بزرگوں نے فارسی غزل کو غزل بنایا، ان میں عارف رومی کا خاص مرتبہ ہے، اور وہ ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، غزل کی معنوی بلندی بادۂ تصوف ہی کی منت پذیر ہے، مولانا نے غزل کو نغمۂ حقیقت بنانے میں بڑا کام کیا ہے، بیشک غزل گوئی میں حسنِ ادا، پیرایۂ بیان، جدتِ اسلوب اور رنگینیٔ کلام کے اعتبار سے مولینا سعدی، عراقی، خسرو اور حسن دہلوی کے ہم پایہ نہیں، لیکن تخیل کی بلندی جوشِ بیان اور حقائق کی ترجمانی کے لحاظ سے ان کا مرتبہ زیادہ بلند ہے، اگر ان کے کلام کے صرف بہترین حصہ پر نظر کی جائے، تو ان کی جگہ صفِ اول ہی میں ہوگی،

جذبات نگاری اور اصلیت

شعر کا اصلی سرمایہ احساسِ قلب اور جذبۂ باطن ہے، یہی جذبات نگاری اور کلام کی اصلیت ہے،

گرمیٔ افکارِ ما از نارِ اوست   آفریدن، جاں دمیدن کارِ اوست

یہ نہ ہو تو اشعار متافق کی مدح سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، شیخ سعدی سے پہلے جن شعرا نے غزلیں کہیں، تقریباً ان کا کلام "زبانِ بے دل" ہے

وہ عشق کے زخم خوردہ نہیں ہیں، انکے سینوں کے اندر آتشِ الفت کا پتہ نہیں، صرف حسن سخن کیلئے انھوں نے عشق کی ترجمانی شروع کی،

لیکن جب دردِ دل رکھنے والے شعرا نے غزل سرائی کی، تو وہ تاثیر اور سوزِ دل کا سرمایہ بن گئی،

صوفی شعرا میں شدتِ اخلاص اور صداقتِ احساس کے باعث اس جذبہ کی گرمی اور اس آگ کی تیزی ناقابلِ بیان ہو گئی، اسی لئے سعدی، خسرو، حسن، عراقی، اور حافظ کے کلام کا سرمایۂ ناز

"جذبات نگاری" ہے،

مولینا روم کا دل فطرۃً امینِ عشق واقع ہوا تھا، وہ فطری شاعر تھے، اگرچہ ایک مدت تک مولینا مذہبیت اور وطن کے ماحول کے باعث شعر گوئی سے پرہیز کرتے رہے، لیکن جب شمس تبریز سے ملاقات ہوئی، تو ایک ہی نظر میں مولینا نے عقل و ہوش کو خیر باد کہا، انکی حکمت اور نکتہ دانی "جنونِ عشق" سے بدل گئی، آخر کار یہ حال ہوا، ع

"دلِ خود کام را از عشق خوں کرد"

آزمودم عقلِ دور اندیش را　　　بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را،

مولینا کی دل کی چھپی اور دبی ہوئی چنگاریاں کچھ ایسی بے پناہ آتشِ شوق کی صورت میں بھڑک اٹھیں، کہ بجھائے نہ بجھتی تھیں، جذباتِ محبت نے طوفان کی صورت اختیار کی، مولینا نے جان و دل کے تقاضے سے مجلسِ سماع آراستہ کی، اس میں دوسروں کی نظمیں کما حقہ ترجمانی حال کا کام نہ دے سکتی تھیں مخفلِ سماع کے لئے مولینا خود غزل لکھنے لگے، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اصلیت سے معمور ہے، اور سراپا جذباتِ دل کی سچی تصویر ہے، اسی لئے جذبات نگاری جو محاسنِ شاعری کا جزو اعظم ہے، مولینا کے کلام کی اولین اور اہم ترین خصوصیت ہے، ان کے اشعار بہانہ جو کے آنسو نہیں ہیں بلکہ ان کا سینہ سوزِ باطن سے معمور ہے، ان کے دل پر عشق کے داغ ہیں، جو کچھ کہتے ہیں، آپ بیتی ہے، ان کی غزل دل کی زبان ہے، ان کے کلام میں ذوقِ سخن نے گفتارِ محبت کا پیرایہ اختیار کیا ہے،

صاحب مناقب العارفین نے جذبات نگاری کے متعلق مولینا کا ایک قول نقل کیا ہے،

"مجرائے سخن سہ گونہ است یکم از نفس روان می شود، دویم از عقل، سیوم، از عشق، ہمانا کہ سخن نفس مکدر است و بے مزہ کہ نہ گوئندہ را ذوق است نہ شنوندہ را فائدہ،

دوم سخن عقل است و آن مقبولِ عقل است، و بنوع فوائد که هم شنونده را بذوق کند و هم گوینده را، سیوم سخن عشق است که هم گوینده را مست کند و شنونده را سرخوش گرداند و بطرب آرد"

جذبات نگاری، مولنا کا کلام سخن عشق ہے، اسلیے وہ دلی جذبات کا آئینہ ہے، ان کا کلام اور زندگی ہم آہنگ ہیں، وہ شعرا کی جماعت "یقولون مالا یفعلون" سے علٰحدہ ہین، اوراس خصوصیت میں مولنا فارسی کے دیگر نامور صوفی غزل گو شعراء کے شریک ہین،

سوز دل کے متعلق فرماتے ہین:-

عشق شد مہمان ہر دل سوختہ　　　جان و دل از بہرِ او قربان کنم

ایک مست الست کی حیثیت سے اپنے انجام کا نقشہ کھینچتے ہیں،

بہ پیش پیرِ مے خانہ بمیرم　　　زہے مرگ و زہے برگ و سرانجام

مطلوب اور محبوب کیساتھ وابستگی، اور وارفتگی کا بیان ہے،

ہر کہ بیند رُخ تو جانب گلشن نرود　　　ہر کہ داند لب تو قصۂ ساغر نہ کند

مولینا بادۂ محبّت سے مخمور ہیں،

مخمور توام بدست من دہ　　　آن جام شراب کوثرے را

عاشق میدانِ طلب میں رفیقِ راہ کا طالب ہے،

طبیب درد بے درمان کدام ست　　　رفیق راہ بے پایان کدام است

شبِ وصال کی لاجواب تصویر ایک ہی مصرعہ میں کھینچ دی ہے،

ع گل چیدن است امشب مے خوردن است امشب

اضطراب عشق اور انتظار کے جذبات کی کسقدر کامیاب ترجمانی ہے،

قرارے نہ دارد دل وجانِ ما ، کنارے نہ دارد بیابانِ ما

عشق نے شاعر کے دل وجان میں گھر کر لیا ہے، اس حالت کو کس خوبی سے ، کہا ہے

درد دل وجاں خانہ کردی عاقبت ہر دو را دیوانہ کردی عاقبت

دلِ عاشق ہر وقت حضورِ یار کا متمنی ہے،

یک لحظہ ز کوئی دوست دوری در مذہبِ عاشقاں حرام است

عاشقِ بے تاب شب و روز کوچۂ یار میں چکر لگاتا ہے لیکن اوس کی یہ آرزو ہے، کہ کسی دن

"دلدار" بھی اسکی گلی میں آجائے، اور اس کوچۂ ویران کو اپنے قدم سے رشکِ بہشت بنادے،

مخمور و مست گرداں امروز چشم ما را رشکِ بہشت گرداں امروز کوے ما را

مولٰنا پر مستی اور جذب طاری ہے، ایک دیوانگی کی سی حالت ہے' فرماتے ہیں،

اے عاشقاں اے عاشقاں امروز من دیوانہ ام مست و خراب و بے خبر زاں جام و زاں پیمانہ ام

بادِ عشق سے درخواست فرماتے ہیں، کہ اس طرف سے بھی ہو گذرے،

اے بادِ خوش کہ بر چمنِ عشق می وزی بر من گذر کہ مژدۂ ریحانم آرزوست

عاشق شرابِ الفت سے مست و بے خود ہے۔ اسے سارا عالم مست نظر آتا ہے، اس

خوبی سے اسکو بیان کیا ہے کہ مستی کی ہمہ گیری کا منظر پیشِ نظر ہو جاتا ہے،

رعد مطرب، برق مشعل ابر ساقی آب مے باغ مست و راغ مست و غنچہ مست و خار مست

باوجود اس مستی کے عاشق بے خودی کی تمنا ہے کہ

یکدست جام بادہ و یکدست زلفِ یار رقصِ چنیں میانۂ میدانم آرزوست

آئینہ میں عکسِ یار دیکھ چکے ہیں لیکن ذوقِ دیدار کا یہ عالم ہے کہ محبوب کا جمالِ جہان آرا بے پردہ

دیکھنا چاہتے ہیں،

عکس در آئینہ اگرچہ نکوست ، لیک ہماں صورتِ زیبا خوش است

جب یہ آرزو خوش بختی سے پوری ہوتی ہے، تو ذوقِ عشق ایسا ہے کہ جان نذر کردیتے ہیں،

دیدہ از خلق بہ ستم چو جمالش دیدم منّت بخشایشِ او گشتم و جاں بخشیدم

دیکھئے مسرتِ وصال کا اظہار کس انداز میں ہوتا ہے،

چو گل شگفتہ شوم در وصالِ گلرویم رسد نسیم بہارم چہ خوش بود بخدا،

محبوب کے حسن و جمال کا مرتبہ بیان ہوتا ہے،

ز روئیت ماہ اختر می تواں کرد، ز زلفت مشک و عنبری تواں کرد

یہ سب ایک سچے عاشق کے دلی جذبات اور احساسات کی ترجمانی ہے، ان شعلوں کی علتِ غائی آتشِ عشق ہے جو کسی پانی سے نہیں بجھائی جا سکتی،

باز آمد آں مے کہ ندیدہ فلک بخواب آورد آتشے کہ نمیرد بہیچ آب،

میر شراب خانہ چو شد با دلم حریف خونم شراب گشت زعشق و جگر کباب

حقایق کی ترجمانی، مولینا کے کلام کی اصلیت کا دوسرا پہلو حقایق کی ترجمانی ہے، مولینا نے اپنے کلام میں بے شمار نفسی اور آفاقی حقایق کی تعبیر اور تفسیر فرمائی ہے، جس سے افراد اور اقوام اپنی زندگی اور تخیل کی تعمیر اور باطنی تربیت میں نہایت گرانمایہ رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں،

ایک حقیقت بیں نظر کے لئے اس میں رمز شناسی اور راز دانی کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے،
یہی بات مولینا کے کلام کی معنوی خصوصیت اور حقیقی قدر و قیمت ہے. شعر گوئی سے مولنا کا منشا بھی یہی تھا کہ حقایق پیرایۂ شعر میں بیان ہو جائیں، سپہ سالار کا بیان ہے،

"حضرت خداوندگار قدس سرہ میخواست کہ حقایق ہمہ مشائخ و مقصود ہمہ عالمارا در ہر چیز بیان فرماید، کما قال قدس اللہ سرہ،"

خواہم کہ کلک خویش از دیگ جاں برآرم　　گفتار دو جہان را از یک دہاں برآرم

یہ شعر تو مولینا کا ہے، جس سے اس خصوصیت کے متعلق خود صاحب دیوان کے نقطۂ نظر کا اظہار ہوتا ہے، یہ صفت پورے عروج و کمال پر مثنوی میں ملتی ہے، لیکن دیوان میں بھی نمایاں ہے، مثلاً "ستر انا" کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں،

از کنار خویش یابم ہر زماں من بوے یار　　چوں نگیریم ہر شبے مرخویش را اندر کنار

عشق اور بندگی کے متعلق اظہار خیال یوں ہوتا ہے،

دیگران آزاد سازند بندہ را　　عشق بندہ می کند آزاد را،

ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر ہے، جو اس مطلب و مفہوم کا حامل ہے، کہ عاشقانہ بندگی ہی میں ماسوا سے آزادی نصیب ہو سکتی ہے:۔

عقل گوید شاد شو آزاد شو،　　عشق گوید بندہ شو آزاد شو،

(رموز بے خودی)

تخلق باخلاق الٰہیہ کا راز بیان کیا ہے،

درون دل سفرے کن اگر خدا طلبی　　ز خوئی خود گذرے کن بجوئی خوے خدا

طلب و حصول کا ربط ظاہر کیا ہے،

روزی ز طلبگاری مطلوب بدست آید　　گر زاں کہ ترا در دل عشق و طلبی باشد

شادی وصال جاں روزی رسد از جاناں　　آنرا کہ درون دل از عشق غمی باشد

بے رنج دریں ویراں آں گنج کجا یابی　　کاں گنج گراں مایہ بے رنج نمی باشد

ترک کبر اور عجز عبدیت کا کیا حاصل ہے، جواب ملتا ہے،

کبر و تکبر بگذار و بگیر،　　در عوض کبر جنیں کبریا،

حقیقتِ تخلیق پر روشنی ڈالی ہے،

ہزار صورت بے چوں با مرکن موجود　　　شدست وہشو دا اے دل دیدہ را بکشا

سلوک الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے،

یک حملۂ مستانہ مردانہ بکردیم،　　　تا علم بدادیم و بمعلوم رسیدیم،

با آیت کرسی بسر عرش پریدیم،　　　تا حی بدویدیم و بقیوم رسیدیم،

عاشق علم لدنی سے کس طرح فیضیاب ہوتا ہے، ؟

خمش کوتہ کن اے خاطر کہ علم اول و آخر　　　بیاں کردہ بود عاشق چو پیش شاں لا باشد

غافل کو جگاتے ہیں،

چناں بنہ تو دو چشمت کہ ذرہ را بینی　　　میان روز نہ بینی تو شمس کبری را

مثنوی میں بھی حق سے غفلت کو موت سے تعبیر فرمایا ہے،:-

مرگ حاضر غائب از حق بودن است

غرض یہ کہ مولینا کا کلام حقایق کا ایک دریائے بے پایاں ہے،

جوشِ خیال اور بیان

بیا کہ من ز خم پیر زدوم آوردم
مئے سخن کہ جواں تر ز بادہ عنبی است　　　(اقبال)

مولینا کے خیالات میں جو ہنگامہ و جوش اور بیان میں جو زور اور وجد پایا جاتا ہے، اوس کی نظیر کسی اور غزل گو صوفی شاعر کے کلام میں نہیں، یہ صفت مولینا کی غزلیات میں خاص طور پر نمایاں ہے،

تخیل کی پرواز کا یہ عالم ہے کہ آن کی آن میں عالم معنی کی سیر برق رفتاری کیساتھ ہوتی ہے، قلب میں عشق کی گرمی اور جذبات کا طوفان برپا ہے، اس سے خیالات میں یہ جوش ہے، پھر زبان دل کی

ہم آہنگ ہے، جس شدت سے خیال پیدا ہوتا ہے، اسی شدت سے بیان کرتے ہیں،

غزلؔ بانگِ اسرافیلؔ معلوم ہوتی ہے کہ محشر انگیزی پر آمادہ ہے، جوشِ تخیل اور بیان کے اعتبار سے مولینا کا کلام شعر کے اس معیار پر پورا پورا اترتا ہے،

نغمہ باید تند رو مانند سیل، تا برد از دل غمان را خیل خیل،

اصل بات یہ ہے کہ مقاماتِ تصوف کا تعلق قلب اور جذبات سے ہے، مولینا کا قلب اسی عالم کی سیر میں مصروف تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو تخیل کا زور معنی آفرینی میں کمال دکھاتا ہے، تو دوسری طرف بیان مواج سمندر کے مانند لہریں لے رہا ہے، اس سے کلام میں بے حد زور اور اثر پیدا ہو گیا ہے جو پڑھتا ہے اس طوفان انگیز سمندر کی موجوں کے ساتھ ہو کر بہنے لگتا ہے، جوش کا یہ عالم ہے کہ جس قوت سے وہ کسی خیال کو ادا کرتے ہیں، اسی قوت سے اسے قبول کرنا بھی آسان نہیں، یہ جوش کسی خاص خیال یا موقع سے مخصوص نہیں جس خیال کو ظاہر کرتے ہیں، تو ان کا طبعی جوش اس سے نمایاں ہوتا ہے مسرت وصال کا ذکر کریں تو دل مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے، غم ہجراں کا بیان ہو تو احساس اضطراب تیز ہو جاتا ہے، بقا کا رنگ اس جوش اور زور سے دکھاتے ہیں، کہ آدمی اپنے آپ کو غیر فانی محسوس کرنے لگتا ہے، فنا کا عالم دکھانے میں یہ انداز ہے کہ عالم کی ایک ویران کدہ اور فانوس خیال کے ایک مجموعہ سے زیادہ حقیقت نہیں معلوم ہوتی، جوشِ خیال اور بیان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن سے یہ حقیقت آئینہ ہو جائے گی،

اے نوبہار عاشقاں داری خبر از یار ما، ای از تو آبستن چمن وے از تو خنداں باغہا

اگر افلاک نہ باشد بجدا باک نہ باشد، دلِ غمناک نہ باشد چہ کنی گفت علالا

عاشق کو کس جوش سے مخاطب فرماتے ہیں :-

چوں چشم بجوش از دل سنگ، بشکن تو سبوئے جسم و جاں را،

مردِ خدا کی ہمت و غیرت کا بیان ہے،

مردِ خدا مست بود بے شراب مردِ خدا سیر بود بے کباب

مردِ خدا بحر بود بیکراں، مردِ خدا قطرہ بود بے سحاب

اے چنگِ پردہ ہاے سپاہانم آرزوست وے نالۂ خوش و سوزانم آرزوست

زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست

آخری شعر سے مولنا کے رنگِ طبیعت اور جوشِ خیال کا خاص اندازہ ہوتا ہے،

جوشِ عزم ملاحظہ ہو،

ہر نفس آوازِ عشق میرسد از چپ و راست ما بفلک می رویم عزمِ تماشا کراست

جوشِ عشق کی تصویر کھینچتے ہیں،

گفتم کہ چند خوانی گفتا کہ تا نخوانی گفتا کہ چند جوشی گفتم کہ تا قیامت

مولنا کی ہمت عالی اور قوتِ تسخیر پر نظر کیجئے،

ہمت عالیست در سرہاے ما، از ثریٰ تا عرشِ اعلیٰ می رویم

دہانِ اژدہا را بر دریدم، جہانِ عیش را آباد کردم،

عہدِ حاضر کے فارسی شعرا میں ڈاکٹر اقبال اس خصوصیت اور مناسبت میں اس پرجوش عارف رومی کے ہمرنگ ہیں، اون کے تخیل میں بھی زور اور بیان میں بھی جوش ہے، خود ان ہی کا بیان ہے

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزی

مثلاً کلام ملاحظہ ہو،

تا کجا در تہ بال دگراں می باشی در ہواے چمن آزادہ پریدن آموز

بشاخِ زندگی مانمی ز تشنہ لبی است تلاشِ چشمۂ حیوان دلیلِ کم طلبی است

خاص مضامین، ہر شاعر اپنی طبیعت اور بلندی مزاج کے مطابق خاص خاص خیالات اور مضامین کا دلدادہ ہوتا ہے، یہ مضامین اس کے خصوصیات میں گنے جاتے ہیں، اور مہماتِ مضامین کہلاتے ہیں۔ مولنا میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، اور کلام کی معنوی خصوصیات میں بے حد نمایاں ہے، وہ چند احساسات اور خیالات کے خاص طور پر دلدادہ ہیں، ان کے کلام میں ایسے مضامین مختلف پیرایہ اور اسلوب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، مثلاً عشق کی اہمیت اس کے نتائج انسان کی عظمت اور عروج انسانی کی راہ عقل وعشق کا مقابلہ دل کی تربیت اور اس کے طریقے وغیرہ یہ چند خاص خیالات ہیں، جن کو مولنا نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں طرح بیان کیا ہے، ہم ایک تسلسل سے ان جملہ مضامین کو بیان کریں گے تاکہ خصوصیاتِ کلام واضح ہو جائیں،

از صدائے سخنِ عشق ندیدم خوشتر
یادگاری کہ دریں گنبدِ دوار بماند (حافظ)

عشق اور اسکے تعلقات، مولنا نے عشق اسکے متعلقات اور اسکے مختلف پہلوؤں پر اس کثرت سے اشعار لکھے ہیں، کہ اگر ان کے دیوان کو "ترانۂ عشق" سے تعبیر کریں تو بیجا نہ ہوگا، ان کی یہ خصوصیت مثنوی میں بھی بیحد نمایاں ہے، سچ یہ ہے کہ عشق زندگی کی بنیادی حقیقت ہے، اس کا ترانہ زندگی کا سب سے عظیم الشان نغمہ ہے، عشق ہی سے قربانی پیدا ہوتی ہے، عشق کے محل مختلف ہوسکتے ہیں، کوئی کسی کے حسنِ عارض کا شیدا ہوتا ہے، ورڈزورتھ کا سا مزاج رکھنے والا شاعر رنگین وادی پر اپنی جان فریفتہ کرتا ہے، کوئی کسی کی تصویر کا عاشق ہوتا ہے، لیکن کسی کا قلب اسقدر وسیع اور نظر اتنی بلند ہوتی ہے کہ وہ اپنی نگاہِ محبت کے لئے "حسن ازل" کو تاکتا ہے، کیونکہ عشق کی شان اس کے مقصد کی وسعت و بلندی سے ہے، کامل طور پر وہ عشق کی لذت آشنا ہے، اسلئے اپنے عشق کو ابدیت بخشنا چاہتا ہے، اور یہ ممکن نہیں جبتک اس کا محبوب ابدی نہ ہو،

عشق زندہ در روان و در بصر ، ہر دمی باشد ز غنچہ تازہ تر ،

عشق آں زندہ گزیں کو باقیست از شرابِ جانفزایت ساقیت

(مثنوی معنوی)

عشق اور مذہب میں ربط کا یہی محل ہے، جب تک مذہب صحیح معنوں میں ہوتا ہے یہ اتحاد قائم رہتا ہے جب ذوق صحیح فنا ہو جاتا ہے، تو ان دونوں میں افتراق ہو جاتا ہے۔

در غلامی عشق و مذہب را فراق انگبینِ زندگانی بد مذاق ،

مولینا اسی حلقۂ عشاق میں داخل ہیں، اسلئے انھوں نے عشق پر بے حد زور دیا ہے، اس کی وکالت کا حق ادا کیا ہے، ان کے نزدیک عشق سے مراد "عشق خدائے احسن" ہے ،

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جاں کندن است

انھوں نے عشق کی اہمیت، اثرات اور نتائج کو اسی روشنی میں بیان کیا ہے، عشق کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں،

عشق معراج است سوئے بام سلطانِ ازل از رخِ عاشق فرو خواں قصۂ معراج را

عشق ابدی زندگی ہے ،

عشق است و عاشق است کہ باقیست تا ابد دل بر جز آں منہ کہ بجز مستعار نیست

عشق جز دولت و ہدایت نیست جز کشادِ دل و عنایت نیست ،

عشق ہی خوش نصیبی ہے ،

گر ترا بخت یار خواہد بود عشق را با تو کار خواہد بود

عمر بے عشق لاحاصل ہے ،

عمر کہ بے عشق رفت ہیچ حسابش مگیر آب حیاتست عشق در دل و جانش پذیر

دگر بیکار گرد و چرخ گردون	جهان عاشقاں بر کار باشد
ہر کہ در دو نیست ازیں عشق رنگ	نزد خدا نیست بجز چوب و سنگ

عشق کے بغیر دولت و جاہ سب ہیچ ہے، اور عشق سے مولینا کی اصل مراد کیا ہے،

منصب و ملک از دل بے عشق راست	جز کفن اطلس و جز گور نیست،
آن روح را کہ عشق حقیقی شعار نیست	نابودہ بہ کہ بودن او غیر عار نیست

عشق ہی قلب کو مطمئن رکھتا ہے،

ہر کہ ز عشاق گریزان شود،	عاقبت الامر پریشاں شود،

خانہ عشق کی بڑی فضیلت ہے،

فی الجملہ ہر آنکس کہ دریں خانہ رہے یافت	سلطان جہان است و سلیمان زمان است

بنی آدم کی بزرگی عشق ہی کے تاج کرامت سے ہوا

کہ عشق خلوت جانست طوق کرمنا	برائے ملک وصال و برائے رفع حجاب

عشق کے نتائج کیا ہوں گے، مولینا نے کئی اشعار میں مختلف طریقہ سے اس کا جواب دیا ہے

غمزہ عشقت بدان آرد یکے محتاج را	کو بیک کہ بر نسنجد ہیچ صاحب تاج را
گلزار کند عشقت آن شورۂ خاکی را	دریا کند موجت این چشم سحابی را
کیمیائے کیمیا ساز است عشق ،	خاک را گنج معانی می کند

عاشق کا دل عرش سے فزوں تر ہے،

بر سر چہ ہمی ارزی میدان کہ ہمی ارزی	زیں روے و دل عاشق از عرش فزوں باشد

عشق کی ترقی و تکمیل استقامت میں ہے،

ہم بذوق این درد را درماں کنم	ہم بصیر این قصہ را پایاں کنم ،

بجز و رعشقِ مطلق جاں نیاریم
فسونہائے خرد را ما نخوانیم

عقل وعشق کا مقابلہ

حقیقت شناسی اور یافتِ حق کے دو رستے ہیں، ایک عقلی راہ ہے، اور ایک ایمانی راہ ہے، مصرع،

مومن از عشقست و عشق از مومن است

پہلی راہ فلسفہ ہے اور دوسری مذہب،

مذہب کی بنیاد چونکہ غیبی حقائق پر ہے، اس لئے فلسفہ یا عقل کی راہ اس منزل تک نہیں پہنچ سکتی، اس لئے کہ عقل حواس کے تابع ہے، اور حواس عالم شہود کے سوا غیر شہود عالم کا علم حاصل نہیں کر سکتے، اور بظاہر ہمارے علم کے ذرائع حواس ہی ہیں،

یافت اور معرفت کی ان دو راہوں میں ایک کا سرمایہ قیل و قال اور شک ہے، اور دوسری راہ کا سرمایہ "علم الیقین"، "عین الیقین" اور "حق الیقین" رموزِ بیخودی میں بڑی خوبی سے ان کے فرقِ نوعیت کو ظاہر کیا گیا ہے،

عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است

عقل محکم از اساسِ چون و چند
عشق عریاں از لباسِ چون و چند

عقل در پیچاکِ اسباب و علل
عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل

عقل می گوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحانِ خویش کن

مولانا کے کلام میں بھی خاص طور پر ان دو راہوں کا مقابلہ اور موازنہ پایا جاتا ہے، اور مولانا نے اس پر بڑا زور دیا ہے، اسلام میں اعتزال وغیرہ کے عقلیہ فرقے پیدا ہوئے، مولانا نے ان کو فتنۂ عظیم سے تعبیر کیا ہے،

سوے مدرس خرد آیند در سوال ‌ ‌ ‌ کیں فتنۂ عظیم در اسلام شد چرا

اس مقابلہ اور موازنہ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

عاقلاں را اندراں غفلت بماں ‌ ‌ ‌ عاشقاں را چشمِ معنی برکشا

از سینہ پاک کردم افکارِ فلسفی را ‌ ‌ ‌ در دیدہ جاے کردم اشکالِ یوسفی را

مثنوی میں ارشاد ہوتا ہے،

عقلِ جزوی عشق را منکر بود ‌ ‌ ‌ گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود

آفتابِ عقل را در سوز دار ‌ ‌ ‌ چشم را چوں ابر اشک افروز دار

داند آں کو نیک بخت و محرم است ‌ ‌ ‌ زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

درمیانِ پردۂ خون عشق را گلزارہا ‌ ‌ ‌ عاشقاں را با جمالِ عشق بیچوں کارہا

عقل گوید شش جہت حد است و بیروں راہ نیست ‌ ‌ ‌ عشق گوید ہست راہ و رفتہ ام من بارہا

عاشقانِ خستہ دل را در درونہ ذوقہا ‌ ‌ ‌ عاقلانِ تیرہ جاں را در درون انکارہا

عقل گوید پا منہ کاندر فنا جز خار نیست ‌ ‌ ‌ عشق گوید ہست در تو مایۂ آں خارہا

عشقِ تو چوں در آمد اندیشہ مرد پیشش ‌ ‌ ‌ عشقِ تو صبحِ صادق اندیشہ صبحِ کاذب

شمعِ گیتی بود عقلِ چارہ گر ‌ ‌ ‌ شمع را پروانہ کردی عاقبت

آتش دریں عالم زنیم ایں چرخ را برہم زنیم ‌ ‌ ‌ ایں عقل پا برجائے را از عشق سرگرداں کنیم

بجز در عشق مطلق جاں نیاریم ‌ ‌ ‌ فسونہائے خرد را ما نخوانیم

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است ‌ ‌ ‌ (مثنوی رومی)

دل کی عظمت و اہمیت عشق، یقین اور ایمان کا تعلق قلب سے ہے، قرآن مجید میں ابراہیم حنیف کے

کمال باطن کی تعریف پر ان کے "قلب سلیم" کو نشانِ عظمت ظاہر کیا گیا ہے، حدیث میں ہے، کہ دل ہی انسانی صلاح اور بگاڑ کی کنجی ہے، انسان کی عظمت اس کی قلبی وسعت و کیفیت کی نوعیت پر مبنی ہے، یہ ایک واقعہ ہے کہ انسانی علم و عمل کی طاقت قلبی توجہ پر منحصر ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ مولانا اس کی اہمیت اور اس کے اعلیٰ مقاصد اور نتائج پر اپنے کلام و پیام میں بیحد زور دیتے ہیں، اس لئے تزکیۂ دل اور تصفیۂ قلب پر بھی بے حد اصرار کرتے ہیں اور اسکی اہمیت کو طرح طرح سے ظاہر کرتے ہیں، تاکہ کثرت ذکر اور تکرار تہدید سے سامع اس عظیم الشان حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائے، مثنوی میں فرماتے ہیں،

کاں جمالِ دل جمالِ باقیست　　دولتش از آب حیواں ساقیست

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است　　من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست

در دلِ مومن بگنجم اے عجب　　گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

مولانا کی یہ معنوی خصوصیت دیوان میں بھی قائم ہے، دل کو منظرگاہِ حق قرار دیا ہے، اور فرماتے ہیں،

در آور دل کہ منظرگاہِ حق است　　اگرچہ نیست منظر می تواں کرد

دلِ آہن زشوقش نرم گردد　　دل ار سنگ است جوہر می تواں کرد

دل کا تیر راست ہونا چاہئے،

گر تا بِ قوس جوئی دل راست کن چو تیرے　　در قوسِ او در آید ہر کو چو تیر باشد

دلِ عاشق کی پرواز دکھائی ہے،

سیمرغ دلِ عاشق در دام کجا گنجد　　پرواز چنیں مرغے از کون بروں باشد

آئینۂ قلب میں صفا ہو تو آفتابِ حقیقت اس میں منعکس ہوگا،

چوں کاہ حقت گل بود آئینہ کے مقبل بود　　چوں کہ جدا گردد زگل آئینہ گردد باصفا

دل را تو صیقلے کن تا نقشِ او پذیرد ‌‌‌‌‌‌‌‌ زاں نقشِ بے جہت ایں شش سو منقش آمد

مثنوی میں بھی یہی ہدایت ہے،

آئینہ کز زنگ و آلائش جدا ست ‌‌‌‌‌‌‌‌ پر شعاع نورِ خورشیدِ خدا ست

ولایت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اہلِ دل کی صحبت اختیار کیجائے،

گر اولیائے حق را از حق جدا شمردہ ‌‌‌‌‌‌‌‌ گر ظنِّ نیک داری بر اولیا چہ باشد

اہلِ دل کی صحبت سے مقصود تک رسائی ممکن ہے،

دلا نزدِ کسے بنشیں کہ او از دل خبر دارد ‌‌‌‌‌‌‌‌ بزیرِ آں درختے رو کہ او گلہائے تر دارد

مثنوی میں بھی اہلِ دل کی صحبت کے فیض کا ذکر جگہ جگہ ہے،

یک زمانہ صحبتے با اولیاء ‌‌‌‌‌‌‌‌ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

دل سے متعلق ایسے اشعار سینکڑوں کی تعداد میں ہیں،

صد آہ شرر ریزے اک شعرِ دلآویزے ‌‌‌‌‌‌‌‌ (رومی)

جذباتِ عشق | شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ جن احساسات اور قلبی حالات اور کیفیات کو بیان کرنا چاہے اس خوبی سے ان کو ادا کرے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے اس حالت کی تصویر کھنچ جائے اور وہ شاعر کے اس احساس میں شریکِ حال ہو جائے، مولانا کے کلام کی اصل خصوصیت یہی ہے، لذتِ دید کی کیفیت بیان کی ہے،

دل پیشِ رخش چہ رقص می کرد ‌‌‌‌‌‌‌‌ وز آتشِ عشق جان چہ می شد

"چہ رقص می کرد" اور "جاں چہ می شد" میں لذتِ دید اور بے تابیِ شوق کا نقشہ کھینچ دیا ہے، عشق میں غم سہتے سہتے عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسے اس میں لطف آنے لگتا ہے، اس حال میں اس کی نظر درد و غم پر پڑتی ہی نہیں، صرف لطفِ محبت ہی کا خیال رہتا ہے، ہر غم کو مسرت سمجھتا ہے، اور

آسانی سے برداشت کر لیتا ہے، اس حالت کو بیان کرتے ہیں،

منگر رنج و بلا را بنگر عشق و ولا را ــــ غم او لطف لقب کن زغم و درد طرب کن

رندانِ قدح خوار کا کبھی یہ عالم ہوتا ہے کہ جب وہ خوب پی لیتے ہیں تو پھر انھیں پستی اور بلندی کی خبر نہیں رہتی، حالتِ سرور میں رقصاں ہوتے ہیں، مستی کی اس حالت کا نقشہ مولٰنا نے اس طرح کھینچا ہے،

باز رسیدیم ز میخانہ مست ــــ باز رہیدیم ز بالا و پست

جملۂ مستاں خوش و رقصاں شدند ــــ دست زنید اے صنما دست دست

ایک اور شعر ہے،

ز شوقت من زتن بے گانہ گردم ــــ شرابِ عشق را پیمانہ گردم

دوسرا مصرع بے خودی اور خود فراموشی کی بہترین تعبیر اور تصویر ہے،

عاشق انتظار میں ہے، دیر بے حد ہوگئی، کچھ مایوسی سی دل پر چھاگئی لیکن یکایک محبوب دلنواز سامنے آگیا، عاشق کی آنکھیں "بتِ بے وفا" کو دیکھتی ہیں، لیکن دل کو اس خوش نصیبی کا یقین نہیں آتا، پھر بار بار نظر کرنے سے یہ شک رفع ہوجاتا ہے، اور جوشِ مسرت سے عاشق اچھل پڑتا اور پکار اٹھتا ہے،

یار آمد ز در خلوتیاں دوست دوست ــــ دیدہ غلط می کند نیست غلط اوست اوست

معشوق پری رخ کو دیکھکر اس کی لطافت و رنگینی کا جو نازک احساس دل میں پیدا ہوتا ہے اس حالت کو الفاظ کے مرقع میں پیش کیا ہے، جس سے آنکھوں کے آگے ایک سماں بندھ جاتا ہے،

روئے تو چو نو بہار دیدم ــــ گل را ز تو شرمسار دیدم

دعا مغزِ عبادت ہے، عبدیت کی یہ کیفیت مولانا پر طاری ہوگئی ہے، اور دعا کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ جو دیکھتا ہے وہ بھی دعا گوئی ہی کی درخواست کرتا ہے، عجز عبدیت کی اس حالت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے،

ہمہ دعا شدہ ام من زبس دعا کردن ــــ کہ ہر کہ دید مرا از من او دعا خواہد

عاشقِ خستہ جان مسلسل محبوبِ سنگدل کی بے توجہی کا شکار رہے، اسے خیال ہوتا ہے کہ محبوب ہمیشہ ناز میں ہے وہ ہمارے نیاز کی حالت کو کیا محسوس کریگا، اسے ہماری جگر کاوی اور دلسوزی کا کیا احساس ہوگا، وہ متمنی ہے کہ خدا کرے خود محبوب بھی کسی کو اپنا مطلوب بنائے اور کسی پر جان دے، تاکہ وہ عاشق کے حالِ زار کو محسوس کر سکے، ع کبھی جلوہ گر ہو خدا کرے ترا ناز میرے نیاز میں، اس حالت کو اس طرح بیان کرتے ہیں،

اے خداوند یکے یار جفاکارش دہ ۔۔۔ دلبرِ عشوہ گر و سرکش و خونخوارش دہ
چند روزے زپئے تجربہ بیمارش کن ۔۔۔ با طبیبانِ دغا پیشہ سروکارش دہ
تا بداند کہ شبِ ما بچساں می گذرد ۔۔۔ دردِ عشقش دہ و عشقش دہ و بسیارش دہ

کبھی طلب اس قدر شدید ہوتی ہے کہ باوجود کافی سامان ہونے کے دل سیراب نہیں ہوتا اور تشنگی رفع نہیں ہوتی، بے چینی ہنوز باقی رہتی ہے، اس کیفیت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے،

شمس تبریزی ہمہ دریائے فضل و رحمت است ۔۔۔ لیک جانِ تشنۂ زاں دریائے سیراب نیست

ما نور خدائیم دریں خانہ فتادہ
(رومی)
ما آب حیاتیم دریں جوئے روانیم

شرف نفس انسانی	بنی آدم کی کرامت مسلم ہے، روحانی جماعت انسان کو "آئینۂ ذات حق" سمجھتی ہے، ع

ذاتِ ما آئینۂ ذاتِ حق است

لیکن مادہ پرست گروہ بھی بہرحال اس کو سلسلۂ حوادث میں افضل ترین کڑی خیال کرتا ہے، اور کائنات میں مادی ارتقاء کی آخری کڑی انسان ہی قرار دیا گیا ہے حقیقت کو بے نقاب کرنے والوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمایا ہے کہ انسان خدائی سانچہ پر ڈھلا ہے، ان اللّٰہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ خود خالقِ عالم کا ارشاد ہے، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، و کرمنا بنی آدم

مولانا نے انسان کی عظمت و بزرگی پر اپنے کلام میں بے حد زور دیا ہے، یہ شے مولانا کے کلام کے ان خصوصیات میں ہے جو مولنا کو فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعراء سے ممتاز کرتی ہے، میرا یہ مطلب نہیں کہ اور لوگوں نے انسان کے شرف اور بزرگی کو بیان نہیں کیا، بلکہ یہ مولنا کے خاص مضامین شعر میں سے ہے، اور انھوں نے اس زور اور کثرت سے اس نقطۂ نظر پر بحث کی ہے کہ دوسروں کے کلام میں اسکی نظیر نہیں ملتی، ان کا دیوان انسانی شرف اور تعظیم کا ایک نغمۂ دل افزا ہے، کہیں انسان پر اسکی قدر و قیمت کا اظہار کرتے ہیں، کہیں اس کی عظمت اور بلندی کی تصویر پیش کرتے ہیں، اسے غیرت دلاتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں کہ "تو" دولت بے بہا ہے اپنا اصل محل اور موقف حاصل کر"۔ ع

تو گوہری کہ کسے را بکف بہائے تو نیست

یہ صفت مولنا کی معنوی خصوصیات میں سے ایک ہے، انسان کی حقیقت اور عظمت کا بیان ہے

ما نور خدائیم دریں خانہ فتادیم — ما آب حیاتیم دریں جوئے روانیم
ما نورِ خدائیم دریں خانہ نہانیم — ما مرغ شکرفیم دریں دام نہانیم
ما نور سمائیم از آں فضل شمائیم — ما شاہِ زمینیم و سلیمانِ زمانیم

"زبورِ عجم" میں اسی بحر میں ایک مؤثر نظم ہے، جس کا ایک بند یہ ہے،

ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی — دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمینی تو زمانی — صہبائے یقیں درکش و از دیرِ گماں خیز

از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

مولانا فرماتے ہیں:-

ما مہرِ سپہرِ لامکانیم — برتر ز زمین و آسمانیم
ما برزخ جامعیم و فاضل — نے زانکہ بروں ز این و آنیم

ما محرم بارگاہِ اُنسیم   در جامِ جہاں چو جانیم

ایک اور غزل کے اشعار ہیں،

ما گوہرِ کن فکانیم   ما مردمِ دیدۂ عیانیم

ما شاہدِ حضرتِ جلالیم   ما چشم و چراغِ انس و جانیم

ما نقطۂ مرکزِ زمینیم   ما نکتۂ سرِّ آسمانیم

انسان مسجودِ ملائک ہے،

اوست مسجودِ ملائک زانکہ بے ہمتاست او   بارگاہِ رفعتش بیرون ز چرخ چنبری

مولانا حکم فرماتے ہیں کہ انسان کو ذلت کی نگاہ سے مت دیکھو،

وجود قابلِ انسان چو مظہرِ حق است   مکرّمست بدیں واسطہ مبیں خوارش

اس مضمون پر مثنوی میں بھی بیحد زور دیا گیا ہے،

وجہ آدم آئینہ اسماء کند   عکسِ خود در صورتش پیدا کند

از رہِ صورت نماید غیرِ دوست   چوں نظر کردی بمعنی جملہ اوست

مولانا کے خیال میں انسان ابد کے لئے بنایا گیا ہے،

طمع مدار کہ عمر ترا کراں باشد   صفاتِ حق و حق را حد و کراں زکجا

انسان کی منزل ذات کبریا ہے،

ما ز فلک برتریم و ز ملک افزوں تریم   زیں دو چرا نگذریم منزلِ ما کبریاست

اسی پر ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے،

شعلۂ در گیر زد بر خس و خاشاکِ من   مرشد رومی کہ گفت منزلِ ما کبریاست

(پیام مشرق)

انسان کی منزل نہایت بلند ہے، اس کو کبھی پستی کی طرف مائل نہ ہونا چاہئے،

نہی بر فرقِ جان تاجے بری دل را بمعراجے　　چو خورشید شس برآرائی کہ سبحان الذی اسریٰ

انسان میں بے شمار کمالات چھپے ہوئے ہیں،

دلا زیں تنگ زندانہا رہے داری بمیدانہا　　مگر خفتست پائے تو تو پنداری نداری پا

بانگ درا میں ایک شعر ہے جو اس مفہوم کو ادا کرتا ہے،

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا　　ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

انسان جب اس قدر باعظمت مخلوق ہے تو مولانا کے نزدیک اس کا نصب العین بھی نہایت بلند ہونا چاہئے، اس کی عظمت اس کے مقاصد کی بلندی ہی سے قائم رہ سکتی ہے،

مناقب العارفین میں لکھا ہے، مولانا نے ایک دن انسان کے بلند نصب العین کے متعلق یہ حدیث سنائی، ان اللہ یحب المعالی الامور،

دیوان میں انسانی نصب العین متعین فرماتے ہیں،

ہمائی قاف قربی اے برادر　　ہما را جز ہمائے مصلحت نیست

ز آفتاب و ز مہتاب بگذرد نورم　　چو روئے خود بہ شہنشاہ دلنواز کنم

عہد حاضر کے پیام بر شاعر اقبال نے انسان کو یہی پیام دیا ہے،

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے　　یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

مولانا کے نزدیک زندہ دلی کا یہی شعار ہے،

شعارِ زندہ دلاں در طریق گرم رویست　　اگر فسردہ نۂ گرم دار بازارش

مثنوی معنوی میں ایک شعر ہے،

جملہ عالم ہست حاجتمند تو　　تو گدا یا نہ چہ گردی کو بکو

اسی منشاء اور مفہوم کی ایک غزل دیوان میں ہے، جس میں مولانا کی یہ خصوصیت سخن کامل

طور پر عیاں ہے،

منگر بہر گدائے کہ تو خاص ازان پاکی | مفروش خویش ارزاں کہ تو بس گراں بہائی
بعصا شگاف دریا کہ تو موسیٔ زمانی | بدرآں قبائے مہ را کہ تو نورِ مصطفائی
بخراش دستِ خوباں کہ تو یوسفِ جمالی | چو مسیح دم فرو دم کہ تو نیز ازان ہوائی
بصف اندر آئی تنہا کہ سفندیارِ وقتی | درِ خیبرست برکن کہ علیٔ مرتضائی
بستاں ز دیو خاتم کہ توئی بجاں سلیمان | بشکن سپاہ اختر کہ تو آفتاب رائی
چو خلیلؑ در آتش کہ تو خالصی و دلکش | چو خضر ز آب حیواں کہ تو جوہرِ بقائی
بگسل ز بے اصولاں مشنو فریبِ غولاں | تو ز فیضِ ذوالجلالی تو ز پرتوِ خدائی
تو ہنوز نا پدیدی کہ جمالِ خود ندیدی | سحرے چو آفتابی ز درونِ خود برائی
شدۂ غلام صورت بمثالِ بت پرستاں | تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری

بخدا جمالِ خود را چو در آئینہ بہ بینی | بتِ خویش ہم تو باشی بکسے گذر نداری

من کان للہ فکان اللہ لہٗ

رنگِ بقا، سرِ خودی اور رمزِ بے خودی

حضرات صوفیائے کرام کے نزدیک سلوک الی اللہ کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت کو فنا فی اللہ اور دوسری کیفیت کو بقا باللہ کہتے ہیں، جب بندہ عبدِ کامل بنجاتا ہے اور اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں کمالِ عجز کے ساتھ پیش کرتا ہے یعنی

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا | ہرچہ داری صرف کن در راہِ او

پر عمل کرتا ہے تو اسے حالتِ فنا کہتے ہیں، اس منزل میں سالک پر مسکینی عجز اور شکستگی طاری رہتی ہے۔ اس نسبت کی طرف اس کی توجہ رہتی ہے،

لیکن جب بندہ فانی بنکر خدائے شکور و غیور کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، تو ادھر سے کمالات

کی تجلی ہوتی ہے،

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت ٭ چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

فانی پر بقا کا پرتو پڑتا ہے، اس مرتبہ میں سالک کا حال مختلف ہوتا ہے، اس پر عظمت و جلال کا وہ دبدبہ چھایا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس نسبت کے آگے دنیا والوں کی بڑی سے بڑی قوت اور شوکت کو ہیچ سمجھتا ہے، بڑے بڑے صاحبانِ شوکت لرزہ براندام ہو جاتے ہیں، ع

بے نیازی نازہا دارد بسے

جب اس نسبت کا استحکام ہو جائے تو کائنات کی ظاہری اور باطنی قوتیں تابع ہو جاتی ہیں، اسی حالت کو دوسرے الفاظ میں خودی اور بے خودی سے تعبیر کرتے ہیں، اور عالم فراق اور حالت وصال بھی کہتے ہیں۔

افلاکی کا بیان ہے کہ

"روزے در تفسیر ایں آیت معنی غریب بیان کرد کہ حق تعالیٰ کل شئی ہالک الا وجہہ فرمودہ است نہ دانست کہ مدح خود می کند و بر بندگانش از قدم بقا تفاخر می آرد کہ من باقیم شما فانی بلکہ دعوت رحمت می کند کہ بکلی در من مستھلک شوید تا در وجہ کریم ما کہ "الا وجہہ" باقی و ابدی شوید،

کل شیئی ہالک الا وجہہ ٭ چوں نۂ در وجہ او ہستی مجو
ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا ٭ کل شئی ہالک نبود جزا
زانکہ در الا ست او از لا گذشت ٭ ہر کہ در الا ست او فانی نگشت

مولانا نے "کل شئی ہالک الا وجہہ" کی یہی تفسیر فرمائی ہے،

بعض سالکانِ راہ پر ایک آن میں دونوں تجلیات ہوتے ہیں، مولانا کا یہی قول ہے،

گہ جانبِ شہر بقا گہ جانب دشتِ فنا

حضرت شمس کے متعلق فرماتے ہیں،

شمس گر گشت فانی با لذات — در فنا با بقاست تا دانی

مولانا پر نسبت بقار کا غلبہ رہتا تھا، چونکہ ان کا کلام ان کے وجدان اور حال کا آئینہ ہے، اسلئے اس میں وہ جلال، بلند آہنگی زور اور دبدبہ ہے کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بجلیاں ہیں کہ چمک رہی ہیں، بادل ہیں کہ گرج رہے ہیں اور جھوم جھوم کر برس رہے ہیں، مولانا کی غزلیات کی یہ خاص صفت ہے، یہ کیفیت اس رنگ میں شعرا میں سے کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی، نہ خسرو کی غزل میں یہ رنگ ہے نہ حسن کے کلام میں، نہ بلبل شیراز کے نغموں میں یہ زور ہے، نہ عراقی کے ساز میں یہ بلند آہنگی ہے، نہ سعدی کے بیان کا یہ طرز ہے، مولانا اس خصوص میں سارے صوفی شعرا سے ممتاز ہیں،

انکے کلام کی ایسی خصوصیت ہے کہ خود مولانا نے بہ نفس نفیس اس کا اظہار فرمایا ہے، مناقب میں ہے کہ حضرت مولانا نے سراج الدین تبریزی سے فرمایا کہ

"حکیم الٰہی خواجہ سنائی و خدمت فرید الدین عطار قدس اللہ سرہما ایں بزرگان دین بودند لیکن اغلب سخن از فراق گفتند اما ما ہمہ از وصال گوئیم" (مناقب العارفین ص۱۰۱)

کلام پڑھ کر اس کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ اس میں لذت، امر و نہ اور جوش فردا دونوں ہیں، بزبان ربانی رمز بقا کا اظہار فرمایا ہے،

چوں خلیل من شدی ز آتش مترس — کہ من از آتش گلستانت کنم
برگلویت تیغہا را دست نیست — گرچو اسمٰعیل قربانت کنم

ان اشعار میں من کان للہ فکان اللہ لہ کی تفسیر فرمائی ہے،

چو جان زار بلا دیدہ با خدا گوید — کہ کس بجز تو ندارم چہ خوش بود بخدا
جوابش آید آزاں سو کہ من ترا زیں پیش — بہیچ کس نہ گذارم چہ خوش بود بخدا

عبدیت کی چند روزہ "چاکری" سے باقی رہنے والی شاہی نصیب ہوتی ہے،

دوسہ روز شاہیت را چو شدم بصدق چاکر — بجہاں نماند شاہے کہ او چاکرم نیامد

رہ فنا ہی سے در بقا تک رسائی ہوتی ہے،

خمش کن و بشنو از قائلانِ روحانی — رہ فنا چو ببندی در بقا بگشاد

نسبت بقا کا جوش ملاحظہ ہو، ع

چو در کفِ سلطاں شدم یک ذرہ بودم کاں شدم

نیست کردم ننگِ ہستی را تمام — تا کہ بر زین بقا محکم شدم

کاسۂ پر زہر بودم دست در عیسیٰ زدم — خام دیدم خویش را در پختہ آویختم

چو مہ پئے آفتاب رفتم — گہ کاستم و گہے فزودم

خاموش کہ عاقبت مرا کار — محمود بود چو من ایا زم

دولت عشق ہی سے انسان دولت پایندہ اور مردہ سے ابدی زندہ بنجاتا ہے،

مردہ بدم زندہ شدم گریہ بدم خندہ شدم — دولت عشق آمد و من دولت پایندہ شدم

ز شمس الدین تبریزی نگارا — وے کو مست شد ہشیار باشد

طبیعت کا جوش اور نسبت بقا کا زور ملاحظہ ہو،

گفتند یافت نیست کہ بس جستہ ایم ما — گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

باز از پستی سوئے بالا شدیم — طالب آں دلبر زیبا شدیم

ما دل اندر راہ جاں انداختیم — غلغلے اندر جہاں انداختیم

مرزا غالب مولانا کے ایک شعر پر جس میں جوش بقا کا اظہار ہے سر دھنا کرتے تھے،

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند — فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

گر تو خواہی وطن پر از دلدار
(رومی)
خانہ را رو تہی کن از اغیار

توحید | مولانا نے مثنوی میں تصوف کے مسائل اور معارف تفصیل سے بیان کئے ہیں، کیونکہ وہ دورِ تمکین کی تصنیف ہے، لیکن دیوان میں صوفیانہ مسائل معارف اور علوم کی نہیں بلکہ صوفیانہ جذبات اور احساسات کی پرجوش ترجمانی ہے، تصوف کی بنیاد مسئلہ توحید پر ہے، صوفی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ ہر طرح ایک کا ہو رہے، توحید کے معنی یہی ہیں کہ انسان ماسوائے اللہ سے آزاد ہو جائے، سوائے حق کے نہ کوئی اسکا معبود ہو نہ مقصود ہو، موجود ہو نہ مشہود ہو[1]،

ہر کہ پیماں با ہوالموجود بست
گردنش از بند ہر معبود رست

اس کی زندگی اور موت صلوٰۃ و قربانی صرف ذاتِ واحد کے لئے ہو، باطنی ترقی اور مذہب کا نصب العین یہی ہے، زندگی کے اسی رنگ کو صبغۃ اللہ کہتے ہیں، قُلْ اِنَّ صَلٰوتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، ابراہیم اسی توحیدی مسلک کے باعث "حنیف" کہلاتے ہیں، سارے روحانی امراض اور اخلاقی خبائث کا واحد علاج توحید ہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مسلک کی پیروی اور تکمیل کا منصب عطا ہوا،

اہلِ حق را رمزِ توحید از بر است
در اتی الرحمٰن عبداً مضمر است

دیں ازو حکمت ازو آئیں ازو
زور ازو قوت ازو تمکیں ازو

عالماں را جلوہ اش حیرت دہد
عاشقاں را بر عمل قدرت دہد

ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ
سازِ ما را پردہ گرداں لا الٰہ

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخلوق (محسوسات) کی نفی قطعی کی جائے، بلکہ یہ کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی وجود ذاتی خارجی نہیں رکھتا، ساری مخلوق صور علمیہ الٰہیہ ہے اور غیر حق ہیں اور وہ موجود بوجود حق ہوئے ہیں، ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیءٍ علیم،

لا الٰہ سرمایۂ اسرار ما   رشتہ اش شیرازۂ افکار ما

ما مسلمانیم و اولاد خلیل   از "ابیکم" گیر اگر خواہی دلیل

تیر خوش پیکان یک کیشیم ما   یک نما یک بین، یک اندیشیم ما

(رموز بیخودی)

مثنوی معنوی میں مسائل تصوّف کی روح اعظم یہی مسئلہ ہے،

چیست توحید خدا آموختن   پیش واحد خویشتن را سوختن

گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز   ہستی ہمچون شب خود را بسوز

دو مگو و دو مدان و دو مخوان   بندہ را در خواجۂ خود محو دان

دیوان میں مسئلۂ توحید یعنی ایک کے ہو رہنے پر مولانا نے بیحد زور دیا ہے اور اس میں جوش اور غیرت ولا نے کا ان کا جو خاص انداز ہے، وہ ہر جگہ نمایاں ہے۔

صوفی شعرا میں اگرچہ ہر ایک نے اصولاً اسی مسئلہ کو بنیاد ٹھہرایا ہے لیکن ان جذبات کا اظہار ان کے کلام اور ان کے بیان کا جزو اعظم نہیں ہے، مثلاً جامی کا رنگ: یاد رنر نعتیہ ہے، سعدی، خسرو اور حافظ نے پیرایۂ مجاز اختیار کیا ہے، خواجہ حافظ فرماتے ہیں،

از دل و جاں شرف صحبت جاناں غرض است   ہمہ این است وگرنہ دل و جاں این ہمہ نیست

ان کے کلام میں یہ مضمون بکثرت نہیں آتا، جیسے اور مضامین آتے ہیں،

البتہ عراقی اس خصوص میں ایک حد تک مولانا کے ہمرنگ ہیں،

مرا جز عشق تو جانانے نمی بینم نمی بینم   دلم را جز تو جانانے نمی بینم نمی بینم

لیکن دونوں کا اسلوب ادا بالکل جداگانہ ہے،

مولانا کے دیوان میں خیال اور بیان کے زور اور جوش کی روح یہی مسئلہ ہے، اس گلزار توحید کے چند پھول ملاحظہ ہوں،

ایک رباعی ہے،

از بہر خدا عشق را ذکر یار مدارید　　در مجلس جاں فکر دگر کار مدارید

یار دگرو کار دگر کفر محالست　　در مذہب حق مذہب کفار مدارید

مولانا کے نزدیک ظہور کثرت کا مقصد ہی حصول توحید ہے،

اے از جمال حسن تو عالم نشانۂ　　مقصود حسن تست دگرہا بہانہ

اگر عکس غیر آب حیات میں بھی ہو تو مولانا کے نزدیک ہیچ ہے،

ہر آں آبے کہ در روے عکس غیر است

اگر آب حیات است آں نشاید

بے گانگی خار عشق ہے،

ہرچہ غیر خیال معشوق است　　خار عشق است اگر بود گلزار

خار بے گانہ را تو یکسو کن،　　خار گل را بجاے دل می دار

گر تو خواہی وطن پر از دلدار　　خانہ را روتہی کن از اغیار

مولانا کو صرف جمال حق منظور ہے، اور وہی مشہود ہے،

مرا غیر تماشاے جمالت　　نباشد در جہاں خود کار دیگر

کائنات کے سارے مشاغل سے عشق حق اپنے لئے انتخاب کیا ہے،

از جملہ جہان و عیش عالم　　من عشق تو اختیار کردم

اس اعلیٰ نسبت کے بعد ادنیٰ نسبت کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی،

چونکہ کمر بستہ ام بہر جہاں سے بجد

از پئے ہر ستارۂ ترک قمر چرا کنم

ترکِ شہودِ حق

تو ئی آفتاب چشمم بجمالِ تست روشن،
اگر از تو باز گردم بکہ چشم باز دارم

ہمہ جمالِ تو بینم چو چشم باز کنم ——— ہمہ شراب تو نوشم چو لب فراز کنم

بایں بہانہ درین بزم محرمے جوئیم ——— غزل سرائیم و پیغام آشنا گوئیم

پیغام گوئی

عہدِ جدید میں پیغام گوئی شاعری کی ایک خاص نوع سمجھی جاتی ہے، اور اسکی آجکل علمی و ادبی حلقوں میں اہمیت بھی بہت زیادہ ہے، جب شاعر کا کلام سامنے آتا ہے، تو اس کے دفترِ معنی میں یہ تلاش کیا جاتا ہے کہ آیا اس نے زندگی کے متعلق کوئی خاص نصب العین اور کوئی خاص تصور پیش کیا ہے، یا نہیں، اس کے پاس بنی نوع کے لئے کوئی خاص پیغام بھی ہے یا نہیں، جس کسی شاعر کے کلام میں یہ صفت پائی جاتی ہے، اسے پیغام گو اور اس شاعری کو پیغام گوئی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

اردو میں اکبر اور اقبال دو زبردست پیغام گو شاعر ہیں، اسی بنا پر ایک کو ترجمانِ حقیقت اور دوسرے کو لسان العصر کہتے ہیں، چونکہ اس دور میں شاعری کے اس رنگ کی قدر ہے، اس لئے اس رنگ کی اہمیت محسوس کیجا رہی ہے، سوال یہ ہے کہ پیغام گوئی کی تعریف کیا ہے،

کہا یہ جاتا ہے کہ جب کوئی شاعر زندگی کے بنیادی حقائق، اور عروجِ انسانی کے اساسی اصول کو موزون اور پر اثر کلام کی صورت میں بطور پیغام پیش کرے، اور مخاطب کے لئے خیال اور عمل کی ایک مخصوص راہ منتخب کرے، تو اس قسم کی شاعری کو پیغام گوئی سے موسوم کیا جاتا، اور شاعر اسی روشنی میں پیغامبر کہا جاتا ہے، اسی نقطۂ نظر سے گرامی مرحوم نے علامۂ اقبال کے متعلق لکھا ہے،

در دیدۂ معنی نگہان حضرتِ اقبال ——— پیغمبری کرد و پیمبر نتوان گفت،

لیکن اس سے اخلاقی پند و نصائح کی وہ صورت خارج ہے، جو بوستان وغیرہ میں پائی جاتی ہے، یا اردو میں مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی کی نظموں میں ہے،

فارسی شاعری کے صوفی اور رند مشرب شعرا کے منظومات مین اپنے اپنے مشرب کے مطابق کچھ نہ کچھ ایسا پیام ملتا ہے مثلاً عطار اور عمر خیام کا کلام لیکن وہ اتفاقیہ ضمنی یا غیر شعوری طور پر ہو جس کسی کے کلام مین حقائق کی ترجمانی ہے تو وہ بصورت پیام نہین برخلاف اس کے مولانا کے کلام مین یہ رنگ غالب ہے اور مولانا نے عمداً یہ رنگ اختیار کیا ہے، شاعری اونھون نے اسی لئے اختیار کی ہے، ان کے لئے غزل یا مثنوی صرف ایک بہانہ ہے جس کے ذریعہ سے انھین پیام آشنا بحرم راز یا گوش آشنا تک پہونچانا مقصود ہے، جامی نے اون کے متعلق بالکل سچ کہا ہے، کہ ع

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

شاعری انھین اس لئے ملی ہے کہ اون کا پیام جذباتی رنگ کے ذریعہ لوگون کے دلون تک پہونچ جائے ان کی شاعری ان کے پیغام کے تابع ہے، اس کی تاریخی شہادت ہم نے پچھلے مباحث مین درج کر دی ہے،

پیغام گوئی کے نقطۂ نظر سے مولانا ے روم اس زمانہ سے دور حاضر تک فارسی زبان کے سب سے بڑے پیغام گو شاعر ہین،

البتہ اس دور مین ڈاکٹر اقبال ہی فارسی کے ایک ایسے شاعر ہین، جنھون نے مولانا کے کلام کی اس خصوصیت کو کامل طور پر محسوس کیا، اور اس کے قدر شناس ہین، اس رنگ کو خود اونھون نے ایک خاص مجتہدانہ طریقہ پر حیرت انگیز ترقی دی ہے، اسرار خودی مین اقبال نے اس کا اقرار کیا ہے،

باز بر خوانم ز فیض پیر روم	دفتر سربستۂ اسرار علوم
جان او از شعلہ ہا سرمایہ دار	من فروغ یک نفس مثل شرار
پیر رومی خاک را اکسیر کرد	از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
موجم و در بحر او منزل کنم	تا دُر تابندۂ حاصل کنم،

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم،

زندگانی از نفسہایش کنم،

بمصداق مشتے نمونہ از خروارے مولانا کے پیامات کی طرف توجہ کیجاتی ہے، مولانا مادی ذہنیت اور مادی زندگی کے سخت مخالف ہین اور وہ انسان سے مخاطب ہوکر یہ پیام دیتے ہین کہ تیری ہستی اشرف ترین خلائق ہے، تو صرف ادنی چیزون پر کیون نظر کرتا ہے، اور قانع ہوتا ہے،

حرص کاہ وجو داری خرمان در آب و گل　　تا نمانی زاب و گل مانند خرا ندر خلاب

چون بسگ نان افگنی سگ بو کند آنگہ خورد　　سگ نہ شیری چہ باشد بہر آن چندین شتاب

عشق است دعاشق است کہ باقیست تا بابد　　دل بر جبد منہ کہ بجز مستعار نیست

رجائیت و پیغام طرب، | مولانا صاحب ولایت ہین، ولایت اور حزن وخوف مین تضاد ہے،

چنانچہ قرآن مجید مین وارد ہے، الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون بندۂ مسلم طریق رضا اور راہ ہستی مین کوکب درخشان کی طرح تبسم بلب گذر جاتا ہے، غیر اللہ کا خوف آزادانہ عمل کا دشمن ہے، اور یہی حریت اور زندگی کے میدان مین راہزنی کرتا ہے،

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر　　از نبی تعلیم لا تحزن بگیر،

قوتِ ایمان حیات افزایدت　　ورد لا خوف علیہم بایدت

چون کلیمے سوے فرعونے رود　　قلبِ او از لا تخف محکم شود

گر خدا داری زغم آزاد شو،

از خیالِ بیش و کم آزاد شو،

حزن ویاس ام الخبائث ہیں، مولینا اس لئے حزن ویاس کے بڑے دشمن ہیں، کہ یہ دونوں جذبات زندگی کو ختم کر دیتے ہیں، اسلئے وہ حکم دیتے ہیں،

سوئے شورستان روان کن شاخ از آب حیات ۔ چون گل وسوسن بخندان خار غم فرسود را

بگرد اے مرغ دل بیرامن غم، ۔ کہ در غم بال و پر مستحکم نہ گردد،

ملول اسرار را محرم نہ گردد،

عالی ہمتی، مولانا کے کلام میں انسان کے لئے بلند نظری، عالی ہمتی اور اظہار عزم کے لئے پیامات ہیں،

چون چشمہ بجوش از دل سنگ ۔ بشکن تو سبوئے جسم و جان را

بربند دو چشم عیب بین را،

بکشائے دو چشم غیب دان را

چون عنکبوت چنان صید ہائے ژفت گرفت ۔ ببین چہ صید کند دام ربی الاعلیٰ

گفتم کہ نہ یافت می شود جستہ ایم ما

گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست،

میان حلقۂ عشاق چون نگین میباش ۔ علم بزن چو دلیران میانۂ صحرا،

مولینا جمود، شک اور تذبذب کے سخت مخالف ہیں، ان کا پیغام جد و جہد اور یقین کے جذبات کا حامل ہے،

دامن جد و جہد را بکشائے، ۔ کز فلک در نثار خواہد بود،

آزادی عشق، در گلستان چو سرو آزاد ۔ در کشا دِ دل چو عشق استاد باش

وہ عشق کے پیغامبر و مبلغ ہیں،

گر نہ دیوانہ‌ئی رو خویش را دیوانہ ساز

دوزخِ عشق نگر تا بصفت مرد شوی　　پیشِ سردان منشین کز دمِ شان سرد شوی

قلب انسان کو محرمِ اسرارِ غیب ہونا ضروری ہے ، ان کا پیغام یہ ہے کہ انسان عرشِ مجید کو اپنا مقام بنائے ،

ما را نبیذ و بادہ از چشمِ غیب باید ،　　ما را مقام و قبلہ عرشِ مجید باید ،

وہ منادی کرتے ہیں کہ رسالت سے ربط رکھو ، علم و عمل کی تصحیح انسانیت اسی روشنی میں کرے ، ملاحظہ ہو

نیش بکشتیِ نوح دگیر دامنِ روح　　بہ بحرِ عشق کہ ہر لحظہ جزر و مد باشد

مشکوٰۃ رسالت کی آخری شمع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ، انکے متعلق فرماتے ہیں ،

رو لے احمدِ مرسل بگیر اے عاشق　　صلائے عشق شنو ہر دمے ز روحِ بلال

مجو سعادت و دولت دریں جہانِ کہن　　ز بندگیش طلب کن سعادتِ دو جہانی

بعض بعض غزلیں کا ملاً پیغام ہی کی صورت میں ہیں ،

ہر ننگِ جماعت شو تا لذتِ جان بینی　　در کوئ خرابات آ تا دردکشان بینی ،

بشکن بتِ خاکی را تا روئے بتان بینی ،　　بر بند دو چشمِ سر تا چشمِ نہان بینی ،

یا وسعت ارضِ اللہ در عین پر خسپیدی　　ز اندیشہ گرہ کم زن تا شرحِ جنان بینی

خاموش شو راز گفتن تا گفت بری یابے

از جان و جہان بگذر تا جانِ جہاں بینی

تو یار خلوت نازی مقیم پردۂ رازی　　قرارگاہ چہ سازی دریں نشیمنِ فانی

تو مرغ عالمِ قدسی ندیمِ مجلسِ انسی　　ازیں حظیرہ بروں پر کہ مرغِ عالمِ جانی

[illegible] سفرسے کن

زجنبش عالم صورت برغـــزارسـ[illegible]

پیر روشن ضمیر کی تعریف، مولینا کے مہمات مضامین سے ایک خاص مضمون اپنے پیر روشن [illegible] کی مدح کا ہے انھوں نے سینکڑوں اسلوب سے اس مضمون کو ادا کیا ہے یہ ان کے دیوان کی ایسی خصوصیت [illegible] جو کسی صوفی شاعر کے دیوان میں نہیں پائی جاتی، [illegible] متعلق ہم نے داخلی شہادت میں طویل بحث کی ہے، اسلئے اب یہاں نہایت اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ شمس تبریزی کی مدح ہے، لیکن درحقیقت انسان کامل کا تصور پیش کیا ہے،

شنو این رمز عشاق از نوائے بربط جانم ۔۔۔ کہ شمس الدین تبریزی ہمی گوید بافسانہ

بیا اے شمس تبریزی کہ در رفعت سلیمانی ۔۔۔ زہے بزم خدایانہ زہے سیمائے شاہانہ

اے قاصد باد صبا از راہ لطفت عرض کن ۔۔۔ بر شمس تبریزی زما ہر دم ہزاراں آفرین

دل خود را از شمس الدین تبریزا ۔۔۔ ہمیشہ روشن و معمور خواہـــم،

شمس الدین تبریزی در آئینہ صفاتت ۔۔۔ گر غیر خدا بینم باشم بتر از کافرا

اے شمس دین ای شمس دین مفتاح علم گنج دین ۔۔۔ عشق تو در ہر دو جہان ما ہمگنان در کار شد

استدلال تمثیلی مسلمہ حقائق یا ذاتی خیالات اور نظریات کو ظاہر کرنے اور ان پر زور دینے کا ایک دلچسپ اور پر اثر طریقہ یہ ہے، کہ انھیں تمثیلی پیرایہ میں بیان کیا جائے، یہ طریق استدلال بعض موقع پر صحیح ہوتا ہے، اور بعض موقع پر غلط بھی ہوسکتا ہے، بعض لوگ اس میں زبردست منطقی دھوکا دیتے ہیں، اچھی اور صحیح بات کو اچھی مثال کے پیرایہ میں پیش کرکے اسے قوی کر سکتے ہیں، اور بری مثال اور غلط تمثیل سے مخاطب کو غلط تخیلات میں مبتلا کیا جاسکتا ہے یا کسی غلط تصور یا خیال کو نہایت لطیف تشبیہ اور مثال کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے، گویا سوفسطائیت سے کام لیتے ہیں لیکن

جب کوئی خیال حقیقت کا بھی حامل ہو اور اسے عمدہ تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا جائے تو اس سے اسکی قوت بڑھجاتی ہو، یہ استدلال عام فہم ہوتا ہے، مولینا تمثیلی استدلال میں بڑا کمال رکھتے ہیں، مثنوی میں ہزاروں مواقع پر اس کمال کا بڑی خوبی سے اظہار فرمایا ہے، جس سے مثنوی کے دقیق مطالب واضح اور روشن ہوگئے ہیں، دیوان میں بھی ان کا یہ رنگ قائم ہے، عمر خیام وغیرہ جیسے شعراء یا حکماء نے اپنے ذاتی خیالات اور عیش پسندانہ جذبات کو تمثیلی پیرایہ میں ظاہر کیا ہے، اور ان پر خطابی یعنی شاعرانہ دلائل قائم کئے ہیں،

مولینا اس کے جواب میں دینی حقائق اور غیبی معارف اور اخلاقی مسلمات کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں، اور جواباً نہایت خوبی سے خطابی دلائل لاتے ہیں،

مثلاً معاد کے انکار میں عمر خیام نے لکھا ہے، کہ آدمی کوئی گھاس نہیں ہے، کہ ایک بار کاٹ لیں، اور وہ دوبارہ زمین سے پیدا ہو،

مولینا اس خیال کی تردید اسی پیرایہ میں فرماتے ہیں،

کدام دانہ فرو رفت در زمیں کہ نہ رست — چرا بدانۂ انسانت این گمان باشد

اور کئی مسائل مولینا نے اسی پیرایہ میں لکھے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

شمع جاں را گر دایں لگن تن چہ کنی — این لگن گر نہ بود شمع ترا صد لگن است

چنانکہ آب حکایت کند ز اختر و ماہ — ز عقل و روح حکایت کنند قالبہا

کائنات میں ایک چیز مختلف مراتب ترقی سے گزر رہی ہے، مولینا فرماتے ہیں، تو ایک درجہ پر پہنچکر مایوس مت ہو، کہ تجھے اس سے آگے کا درجہ ملے گا،

ہزار مرغ عجیب از گلِ تو پر سازند — چو ز آب و گل گذری تا درجات کنند

ذمہ داری کے نقطۂ نظر سے اپنی حیثیت واضح فرماتے ہیں،

من نہ خود آمدم اینجا کہ بخود باز روم ۔۔۔ کہ آوردمرا باز برد در وطنم

عربیت

مہمات مضامین کی بحث ختم ہو چکی لیکن ابھی بعض اور خصوصیات توضیح اور تشریح کی محتاج ہیں، مولینا نے بچپن ہی میں اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں علوم ظاہری کی تحصیل شروع کر دی تھی اور لغت، ادب، فقہ، معقولات، حدیث، و تفسیر میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ بہت جلد مستند علماء میں شمار ہونے لگے سپہ سالار کا بیان ہے،

"در علوم رسمی چوں اقسام لغات و عربیت و فقہ و حدیث و تفسیر و معقولات و منقولات بہ غایتے رسیدہ بود کہ در آں عصر سر آمد ہمہ علماء دھر شدہ بود،"

(سپہ سالار ص ۱۶)

اس سے مقصود یہ بتانا ہے، کہ عربی ادب اور لغت میں بھی مولینا کو پورا کمال حاصل تھا دیوان میں بھی ان کا یہ کمال مختلف صورتوں میں نمایاں ہے،

کہیں کسی غزل میں بعض اشعار عربی کے ہیں، کہیں صرف بعض مصرعے عربی کے ہیں، کہیں پوری کی پوری غزل اسی جوش و روانی کے ساتھ جو فارسی غزلیات میں ہے، عربی میں لکھی ہے، اس طرح دیوان میں عربی کی کئی غزلیات ہیں،

عربی غزل میں بھی حضرت شمس کی مدح و تعریف اپنی عام عادت کے مطابق کرتے ہیں،

یا منیر النجد یا روح البقا ۔۔۔ یا مجیر البدر فی کبد السماء

انما التبریز عرش منیر ۔۔۔ حبذا تبریز ارضا حبذا

قمر سار الینا وجب الحب علینا ۔۔۔ سطع العشق لدینا طرد العشق سنانا

سلب العشق فوادی حصل الیوم مرادی ۔۔۔ بزن ای مطرب عارف بہ دولت بہ شادی

قرآن مجید کی آیات کے مختلف ٹکڑے اپنے اشعار میں داخل کرتے ہیں، جن سے بعض اوقات

معنی کی پوری خوبی اور کلام کا منشا اور مفہوم کامل طور پر واضح ہوجاتا ہے،

نوبت ہجر در انتظار گذشت — فادخلوا الدار یا اولی الالباب

گر شما محرم ضمیر نئید، — ماسئلو ھُنّ من وراء حجاب

بعثر ما فی القبور حصل ما فی الصدور — آمدہ آواز صور روح بمقصد رسید،

بر گسا چون ماھا بروی نوشتہ خط سبز — شرح آن خطہا بخوں از عند ام الکتاب

تسلسل مضامین، جب سے مغربی تعلیم مشرق میں پھیلی ہے، اور مغربی ادب کا اثر مشرقی ادبیات پر پڑا ہے، بعض لوگ عموماً مشرقی شعرا، اور خاصکر اردو اور فارسی غزل پر یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ تو شعر کی ایک مہمل صورت ہے، اس میں نہ خیالات کا کوئی تسلسل ہوتا ہے، نہ جذبات کی یکرنگی ظاہر ہوتی ہے، اصولاً یہ اعتراض غلط ہے، کیونکہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر شاعر کے جذبات میں یکرنگی ہو اور جذبات و خیالات کا اظہار ایک علمی مضمون کی طرح شعر میں بھی منطقی تسلسل کے ساتھ کیا جائے، یہ تو شاعر کے شخصی رجحان پر ہے، جیسا طبیعت کا رنگ ہوگا، جذبات کی جو نوعیت ہوگی، اسی طور پر خیالات اور جذبات کی ترجمانی ہوگی،

اس بحث کے قطع نظر بھی یہ اعتراض غلط ہے، فارسی میں متعدد ایسے شعرا ہیں جن کی غزلیات میں مضامین کا تسلسل پایا جاتا ہے، مثلاً عراقی، مغربی، مولانا روم وغیرہ، مولینا غزل گوئی میں تسلسل مضامین کے موجد ہیں، کیونکہ مولینا کے ہمعصر مجتہد غزل گو شاعر سعدی ہیں، ان کی غزلیات میں یہ خصوصیت نہیں ہے، ہاں مولینا کے معاصرین میں عراقی کی غزلیات میں بھی مضمون کا تسلسل ایک حد تک پایا جاتا ہے،

مولینا کے دیوان میں بکثرت ایسی غزلیں ہیں، جن پر نہایت آسانی کے ساتھ کوئی عنوان لکھدیا جاسکتا ہے، جس سے وہ صاف مسلسل نظمیں معلوم ہوں گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی غزلیں

کسی خاص حالت کے تحت میں لکھی گئی ہیں، اسلئے ہر غزل میں کسی نہ کسی خاص حالت یا جذبے کا مسلسل بیان ہے
ان کا کلام جذبات کا آئینہ ہے، مثلاً ایک غزل میں شادی وصال کا اظہار کیا ہے،

معشوقہ بہ سامان شد تا باد چنیں بادا، کفرش ہمہ ایمان شد تا باد چنیں بادا
زان طلعت شاہانہ زان مشعلۂ خانہ، ہر گوشہ چو لستان شد تا باد چنیں بادا
غم رفت و فتوح آمد شب رفت و صبوح آمد، خورشید درخشاں شد تا باد چنیں بادا

ایک غزل ہے جس میں مسلسل بے نیازیٔ عشق کو بیان کیا ہے،

مرد خدا مست بود بے شراب، مرد خدا سیر بود بے کباب،
مرد خدا شاہ بود زیر دلق، مرد خدا گنج بود در خراب،
مرد خدا بحر بود بے کران، مرد خدا قطرہ بود بے سحاب،

یار مطلوب ہے، اور ربط یار کی اہمیت و لذت کا احساس قلب پر طاری ہے، فرماتے ہیں،

مرا عقیق تو باید شکر چہ سود کند، مرا جمال تو باید قمر چہ سود کند
چو چشم مست تو نبود شراب را چہ طرب، چو ہمرہم تو نباشی سفر چہ سود کند
یہ خیال آتا ہے کہ بے یار سب عیش و عشرت بے معنی ہے، پس اسی خیال کو ظاہر فرماتے ہیں،

اے بے تو حرام زندگانی، خود بے تو کدام زندگانی،
اے وصل تو آب زندگانی، تدبیر خلوص ما تو دانی،
از دیدہ بروں مشو کہ نوری، از سینہ جدا مشو کہ جانی،

مولینا ایک محرم راز کی تلاش میں ہیں، اس تمنا کا اظہار مسلسل ایک غزل میں فرماتے ہیں،

چہ بودے کہ یک گوش پیدا شدے، شنیدے ز با نہائے مرغان ما
چہ بودے کہ یک چشم پیدا شدے، کہ دیدے درختان بستان ما

به ہر دستے کہ ہو بے پدید آمدے گہر بارا زان بحر عمان را

کہیں کہیں مسلسل غزلیں پرلطف مکالمہ کی صورت میں ہیں،

گفتم شہا بس قطرہا در ہجر تو باریدہ ام گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لولو مکنون کنم

گفتم شہا بسیار شب دیدہ نیا لودم بخواب گفتا شبے را صد شبے در عمر تو افزون کنم

کبھی حال کی شدت ہوتی تھی تو اسکو نہ صرف ایک غزل میں بلکہ مسلسل کئی غزلوں میں ظاہر کرتے ہیں بعض اوقات یہ غزلیں ایک ہی بحر اور ردیف و قافیہ میں ہوتی ہیں، ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے،

وال رباب ہے را بگو مرداں سلامت میکنند وال مرغ آبے را بگو مردان سلامت میکنند

مسلسل چار غزلیں اسی مضمون اور اسی بحر ردیف اور قافیہ میں لکھی ہیں، ابتدا میں وجد اور مستی طاری رہتی تھی اکثی ایسی غزلیں مسلسل ہیں جنکی ردیف "مست" ہے جس سے شدت حال کا پتہ بھی چلتا ہے، ہم مثالاً چند مطلعے درج کرتے ہیں،

آمد آن ساقی کہ مارا کرد از دیدار مست وز شراب لعل او شد زاہد و خمار مست

از صبوحہم ربہم بین جملہ ابرار مست وز شراب لایزالی ہفت و پنج چار مست

اے سر من در ہوائے احمد مختار مست وے دل من در ہوائے حیدر کرار مست

شاعرانہ بیان کی خوبیاں یعنی شعر کے صوری محاسن

ہم نے ابتک مولینا کی غزلیات کی معنوی خوبیاں یا شاعرانہ خیال کے محاسن بیان کئے، اب ہم ان کے کلام میں شاعرانہ بیان کی جو خوبیاں پائی جاتی ہیں، انکی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرز ادا کی بہت سی خوبیاں ہیں،

سادگی

ان میں سے ایک سادگی بیان ہے یعنی مولینا اشعار میں اپنا مطلب اس طرح ادا کرتے ہیں

کہ سمجھنے میں مطلق دقت نہیں ہوتی، جیسے فارسی کے نامی غزل گوشاعر بیدل کے کلام کے سمجھنے میں ہوتی ہے، مولانا بالعموم ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہیں، ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ خود ان کے خیالات میں سادگی ہے یعنی ان کے تصورات اور خیالات پیچیدہ اور الجھے ہوئے نہیں ہیں، جس خیال پر وہ شعر کی بنا رکھتے ہیں، وہ ان کے سامنے واضح ہوتا ہے، وہ کوئی ایسی بات دوسروں کو نہیں سمجھانا چاہتے، جسکو خود انھوں نے بخوبی نہ سمجھا ہو اور کسی ایسی کیفیت کی ترجمانی نہیں کرتے، جو ان پر گذری نہ ہو، لفظوں کی ترکیب اکثر جگہ قواعد زبان اور اصول بیان کے مطابق ہوتی ہے، ان کے اشعار میں مضمون کے ضروری اجزاء ترک نہیں کر دیئے جاتے جس سے شعر کا سمجھنا معمہ کا حل کرنا ہو جائے، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جن کے باعث ان کے کلام میں سادگی اور سلاست پیدا ہو گئی ہے،

بر چرخ سحر گاہ یکے ماہ عیاں شد ۔ تا سیر تجلّی ازل جملہ بیان شد
چنان آمیختم با دے کہ دل با من نیامیزد ۔ نخست از عشق او زادم بآخر دل بدو دادم
من از عالم ترا تنہا گزینم ۔ روا داری کہ من غمگین نشینم،
مکانم لامکان باشد نشانم بے نشان باشد ۔ نہ تن باشد نہ جان باشد کہ من از جانِ جانانم
عشق است در آسمان پریدن ۔ صد پردہ بہر نفس دریدن
ہر کہ بہر تو انتظار کند ۔ بخت و اقبال را شکار کند

ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ سلاست کمال کی اس حد تک نہیں پائی جاتی، جسے سہل ممتنع کہتے ہیں، غزل گو شعرا میں یہ صفت شیخ سعدی کا خاص کمال ہے،

جدتِ تشبیہ شاعر کا فرض جذبات کی ترجمانی ہے، جذبات کی ترجمانی ہر موقع پر بلا استعارہ و تشبیہ کے ممکن نہیں، نا قابلِ بیان جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا، اور محسوس کو مشہود بنانے کے لئے تشبیہ اور استعارے

ست کلام لیا جاتا ہے، اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ مطلب واضح ہو جائے، مولینا اپنے کلام کے مقصود اور منشا کے مطابق نہ صرف تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں بلکہ وہ تشبیہ کے موجدین میں ہیں، یہ اسلئے کہ وہ غزل کے دور اول کے شعراء میں ہیں، انھوں نے سیکڑوں تشبیہات کو غزل میں استعمال کیا ہے، ان کا کلام کثیر ہے، اسلئے ان کا شمار مقلدین میں نہیں بلکہ موجدین اور مجتہدین میں ہے،

وہ اپنے کلام میں ایسی تشبیہیں اور استعارے نہیں لاتے جن تک ذہن کی رسائی مشکل ہو، اور کلام ایک حل طلب معمہ بنجاتا ہے، بلکہ انھوں نے کلام میں تشبیہ اور استعارے کا استعمال اس طریقہ سے کیا ہے، کہ اگر ایک طرف اعلیٰ مطالب اور بلند خیالات واضح تر ہو گئے ہیں تو دوسری طرف ان سے ان کے حسن بیان میں اضافہ ہو گیا ہے، حسن بیان اور حسن تشبیہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

در شہر کہ دیداست چنیں شہرہ بتے را در بر کہ کشیداست سہیل و قمرے را

شب قدر است موے تو کزو یابند دلہا مہ بدر ست روے تو کزو رفتند ظلمتہا

گیریم دامن گل و ہمراہ گل شویم رقصاں ہمی شویم چو شاخ نہال گل

ز زندان زہرہ را آزاد کردم روان عاشقاں را شاد کردم،

بحر کی موزونیت اور کلام کی روانی

شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے محاسن میں ایک اہم جزو بحر کا انتخاب ہے، یہ شاعر کے ذوق سلیم پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ جذبات اور خیالات کی مناسبت سے بحر کا انتخاب کرے، پرجوش اور مسرت انگیز جذبات کے لئے ایسی بحر کا استعمال نہ کرے جس سے ادائے مطلب میں سستی ظاہر ہو، عشق کے لطیف اور نازک احساسات کے لئے ایسی بحر منتخب کرنی چاہئے جو رزمیہ نظم کے لئے موزون ہو، مثلاً فردوسی نے اپنی مثنوی یوسف و زلیخا میں یہی غلطی کی تھی جس سے اس کی نظم شاہنامہ کے مقابلے میں ناکام رہی،

مولینا کے کلام میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے خیالات ان کی قوت اور جوش کے مطابق

بحریں استعمال کرتے ہیں، نہ صرف بحر، بلکہ ردیف اور قافیے تک اکثر جگہ نہایت مناسب اور برمحل ہیں، یہ خصوصیت خسرو میں بھی حد کمال تک پہنچ گئی ہے، اگر ان خیالات کو حافظ یا خسرو کی بحروں میں ادا کیا جائے، تو ان کے کلام کا زور اور اسکی روانی باقی نہ رہے گی، اسی طرح حسن دہلوی اور خسرو نے جن خیالات کو چھوٹی چھوٹی پاکیزہ بحروں میں ادا کیا ہے، اگر انکے لئے مولینا کی غزلوں کی بحریں استعمال کیجائیں، تو کلام بدمزہ ہو جائے گا،

مولینا کے اس حسن انتخاب کے باعث ان کے کلام میں بڑی روانی پیدا ہو گئی ہے، اکثر بحرین شدت حال، جوش دل اور زور وارفتگی کے مناسب ہیں، چند مثالوں سے ان کی اس خصوصیت کا اندازہ ہو جائے گا،

جوش بہار:-

بہار آمد بہار آمد سلام آورد مستاں را — ازاں شاہنشہ خوباں پیام آورد مستاں را

چو خسرو زلف شیریں را اگر گفتم — اگر قصہ سر فرہاد کردم،

اپنی حقیقت:-

نہ از دنیا نہ از عقبی نہ از جنت نہ از دوزخ — نہ از آدم نہ از حوا نہ از فردوس رضوانم

ربط پیر:-

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز — نے ماہ تواں دیدن ونے بحر تواں شد

فخر نسبت:-

بخت جواں یار ما دادن جان کار ما — قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفےٰ است

لطیف اور نازک مضامین کے لئے نہایت شگفتہ اور چھوٹی بحرین استعمال کرتے ہیں،

آں دلبر گلعذار آمد — آں یوسف روزگار آمد

بگشائے لب بپیری را ، پیام زنفخ صور داری
بگستر سایہ خود بر سر ما ، کہ ظل حق تعالیٰ داری از وے

پرگوئی، مولینا نہایت پر گو شاعر ہیں، یہ وصف مثنوی اور دیوان غزلیات دونوں سے ظاہر ہے، لیکن دیوان میں زیادہ نمایاں ہے، کیونکہ یہ ضخیم تر ہے، اس میں ذوقِ کلام سے زیادہ غلبۂ حال کو دخل ہے، البتہ اثر کے اعتبار سے مثنوی کا درجہ بلند ہے، لیکن دیوان میں بھی ایک ایک لفظ سے ولولہ جوش اور مستی ٹپکتی ہے، دیوان میں کثرتِ کلام یا پرگوئی کی وجہ یہی ہے، کہ اس دور مستی میں میلان طبیعت سخن کی طرف زیادہ تھا، کیونکہ اس زمانہ میں محفلِ سماع کی بھی کثرت تھی، مثنوی "صاحبِ مقام" ہونے کے بعد لکھی ہے، اس دور میں وہ ولولہ اور ہنگامہ کہاں جب کہ وہ صاحبِ حال تھے، اس دور میں حقیقت حال کو خود بے نقاب فرماتے ہیں،

"فرمود کہ اول شعری گفتیم داعیۂ عظیم بود کہ موجب گفتن بود"

(فیہ مافیہ صفحہ ۲۰)

مدح گوئی سے احتراز، باوجود اس پرگوئی کے مولینا کا دامن کسی بادشاہ یا امیر کی مدح گوئی کے داغ سے داغدار نہیں ہوا خصوصاً اس دور میں جب کہ نظامی سعدی اور خسرو جیسے اہلِ دل بھی اس سے نہ بچ سکے،

عیب مکن گر غزل ابتر بماند ، نیست وفا خاطر پرندہ را ،

(شمس تبریز)

شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے نقائص، مولینا کے کلام میں ایک طرف شاعرانہ نقطۂ نگاہ سے اگر مختلف محاسن ہیں، تو بعض نقائص اور کمزوریاں بھی اس حد تک نمایاں ہیں کہ ہم انھیں انکی خصوصیاتِ کلام کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتے، اسکا سبب تو ہم آگے عرض کریں گے، پہلے فرضِ تنقید کی ادائی کے لئے اس نوع کی چند نقائص کا بھی ذکر کرتے ہیں،

زبان صنف غزل کے مناسب نہیں، ہر صنف سخن میں زبان کا رنگ خاص ہوتا ہے، جو زبان انوری خاقانی ظہیر اور سلمان وغیرہ کے قصائد کی ہے، وہ کبھی خسرو سعدی اور حافظ کی غزل کی نہیں ہو سکتی، لیکن مولینا اس اصول کے پابند نہیں، درحقیقت غزل کا منشاء و مفہوم ہی اصطلاحی حدود سے وسیع ہے، اس لئے مولینا کو نہ الفاظ کی کچھ پروا ہے اور نہ خاص ترکیبوں کی طرف ان کی کچھ توجہ ہے، اس سے اون کی غزلیات میں وہ لطافت پیدا نہ ہو سکی، جو سعدی حافظ یا حسن دہلوی کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے،

تعقید لفظی پیچیدہ ترکیبین مولانا اپنی دھن اور رو میں بعض بعض جگہ غریب، نامانوس اور ثقیل الفاظ بھی بے تکلف استعمال کر جاتے ہین، جنھیں غزل تو غزل قصیدے میں بھی استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا، مثلاً:-

غلط گفتم کہ مسجد ہاسے مارا — برون در بود خورشید بواب،

اسے آفتاب رخ بنما از نقاب ابر — کان چہرۂ مشعشع تابانم آرزوست

پندے بدہ و بصلح آور، — آن چشم خمار عبہری را،

انکے کلام میں لفظی تعقید، پیچیدہ اور غیر شگفتہ ترکیبیں بھی ہین،

این مجمع ملامت و آن محشر قیامت — گشتست پیش حسنت مستغرق عجائب

ماسے جز بکم اینجا بر بند در خانہ، — پرندہ و چرندہ لنگ اندرین حضرت

عجب نباشد اگر مردہ بوید جان — دیا کہ سینۂ تفسیدۂ صبا خواہد،

فک اضافت، نظم و نثر میں عموماً اور فارسی زبان میں خصوصاً اضافت اختصار و ایجاز کا حسن اور اس کی جان ہے، فک اضافت سے جملہ یا شعر نہایت غیر فصیح ہو جاتا ہے، بقول مولینا شبلی "یہ شریعت شعر میں ابغض المباحات ہے"، لیکن مولینا جہاں چاہتے ہیں، اس کی پروا کئے بغیر

ک اضافت کرتے ہیں،

عاشقان را شمع و شاہد نیست از بیرون خویش | آب انگوری بخورد بادہ شان از خون خویش
آب یار نور آمد در صفا و روشنی، | ہر دو غماز ند صورت را و لیکن زاعتساب
ہیچ می دانی چہ می گوید رباب | زاشک چشم و از جگر ہائے کباب

نقص تشبیہ | مولانا نے چونکہ کثرت سے تشبیہیں ایجاد اور استعمال کی ہیں، اسلئے ان میں ایسی تشبیہیں بھی آگئی ہیں، جو نہایت غیر لطیف اور نامناسب ہیں،

شمس الحق تبریزی اچوجہ و تو مرغی | این چوجہ دریں بیضہ ماندست بخود در خم
اے دارو ے فربہی وحت | از بہر تن نزار عاشق،
زبادہ چون افیون فضل او خوردیم | بروں شدیم ز عقل و بر آمدیم از کار

پیرایۂ مجاز | اگرچہ غزل شعر کی ابتدا بھی ہے، اور انتہا بھی، لیکن اس کی زبان سادہ اور سہل ہوتی ہے، اسی لئے وہ عوام اور خواص دونوں طبقوں میں مقبول ہی، جو قبولیت اس صنف سخن کو حاصل ہے، وہ کسی اور صنف کو نصیب نہیں،

ہر چند غزل کی خوبی کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ پیرایہ مجاز ہی میں ہو لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ قبولیت عام اس غزل کو زیادہ حاصل ہوتی ہے، جس میں بلند خیالات اور روحانی حقائق بھی پیرایہ مجاز میں ادا کئے جائیں، سعدی، خسرو اور حافظ کے تغزل کی قبولیت کا سبب یہی ہو کہ وہ مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی تقریبًا بلکہ تمامتر بادہ و ساغر ہی کے پیرایہ مجاز میں کرتے ہیں، مولینا کے کلام میں یہ بات اس حد تک نہیں ہی، انھوں نے اسرار و حقائق کو اکثر بے پردہ ظاہر کیا ہے، اور دیوان میں اپنے ہی اصول

خوشتر آن باشد کہ سرّ دلبران | گفتہ آید در حدیثِ دیگران

پر عمل نہیں کیا،

(باقی)

روزمرہ اور محاورہ کی کمی، ہر چند اشعار کا حسن لفظی روزمرہ اور محاورہ پر منحصر نہیں، لیکن ان سے اکثر موقعوں پر شعر کے لفظی محاسن میں اضافہ ہو جاتا ہے،

مولینا کے کلام میں یہ عنصر بھی غیر نمایاں ہے، سعدی اور حافظ کے ہاں اس کی کثرت ہے، جس سے ان کے کلام کا لفظی حسن بڑھ گیا ہے، نظیری نے بھی اپنے کلام میں کثرت سے روزمرہ اور محاورات باندھے ہیں، تغزلِ ظہوری بھی اس خصوص میں ممتاز ہے،

جدّتِ اسلوب کی کمی پیرایۂ ادا کی تکرار اور ان کے اسباب، اس کے علاوہ مولینا کے کلام میں بدیع الاسلوبی یا جدّتِ اسلوب کی کمی ہے، اسلئے پیرایۂ ادا کی تکرار پائی جاتی ہے، اس کے برعکس سعدی اور خسرو اور حافظ جدّتِ اسلوب کے مالک ہیں،

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرزِ ادا یا شاعرانہ بیان کے یہ نقائص پائے جاتے ہیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اسکی وجہ کیا ہے،

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کبھی مولینا کو محض شاعری مقصود نہ تھی، بلکہ ان کا مقصود دین کی آواز پہنچانا تھا، اور چونکہ اس زمانہ میں لوگ شعر کے بہت دلدادہ تھے، شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، اسلئے انھوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے شعر کا پیرایہ اختیار کیا،

دیوانِ غزلیات میں آرٹ کے نقائص کی ایک اور خاص وجہ یہ ہے کہ مولینا نے اکثر غزلیات وجد اور مستی کی حالت میں لکھی ہیں، اور اپنے احوال کو الفاظ کی صورت دیدی ہے، ایسی حالت میں اشعار میں زبان اور بیان پر غور کرنے کا کوئی موقع و محل بلکہ امکان ہی نہ تھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ جوشِ طبیعت اور محویتِ حال و خیال سے فرصت پانا ان کے لئے ممکن نہ تھا،

عیب مکن گر غزل ابتر بماند،

نیست وفا خاطرِ پرندہ را،

اس لئے کثیر معنوی فضائل اور دیگر صوری محاسن کے مقابلہ میں یہ خفیف نقائص نظر انداز کر دینے چاہئیں،

مولینا کی شاعری کے لئے کسی محفل مشاعرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ انسان کی ضرورت ہے، کہ اسکا کلام تفریحی عناصر سے خالی ہے،

عطار اور سنائی کا اثر مولینا اور ان کی شاعری پر حضرت عطارؒ اور حکیم سنائیؒ کے کلام کا اثر ہے، مولینا نے خود مثنوی اور دیوان میں اسکا تذکرہ کیا ہے، جسے ہم اوپر داخلی شہادت کے سلسلے میں درج کر چکے ہیں، علاوہ اس کے اس موضوع کے متعلق مناقب العارفین میں مولینا کا ایک ارشاد درج ہے، جس سے عطار اور سنائی کے کلام سے انکے تاثر کا اندازہ ہوتا ہے،

"فرمود ہر کہ سخنان عطار را بجد خواند، اسرار سنائی را فہم کند و باعتقاد تمام مطالعہ نماید کلام ما را ادراک کند و برخوردار شود و برخورد"[1]

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اور عطار و سنائی کے کلام میں ایک معنوی ربط ہے،

مولینا کے کلام پر خود ان کی رائے، مولینا کی ضخیم مثنوی (جس میں تقریباً ساڑھے چھبیس ۲۶ ہزار اشعار ہیں) اور ضخیم تر دیوان (جو تقریباً ۵۰ ہزار اشعار پر مشتمل ہے) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مولینا شعر گوئی کی طرف بجد مائل تھے، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے، اسکے ثبوت میں ہم بعض اہم ترین شہادتیں درج کرتے ہیں، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کے منشا اور سخن میں کیا ربط ہے، فیہ ما فیہ کی عبارت ہے،

آخر من تا این حد دل دارم کہ این یاراں کہ نزدیک من می آیند، از بیم آن کہ ملول

---

[1] مناقب العارفین صفحہ ۲۷۶، مطبوعہ آگرہ،

ملول نہ شوند شعری گویم تا بداں مشغول شوند و گرنہ من کجا شعر از کجا ' واللہ کہ من از شعر بیزارم و بیش من ازین بتر چیزے نیست ' ہمچنان ست کہ یکے دست در شکنبہ کردہ است و می شوید برائے آرزوے مہمان ' چون اشتہاے مہمان بدانست مرالازم شد آخر آدمی بنگرد کہ خلق را در فلان شہر چہ کالا می باید آن خرد و آن فروشد اگرچہ دون تریں متاعہا باشد من تحصیلہا کردم در علوم و رنجہا بردم کہ نزد من فضلا و محققان و زیرکاں آیند تا برائے ایشان چیزے غریب و نفیس و دقیق عرض کنم حق تعالی خود چنیں خواست آن ہمہ علمہا اینجا جمع کرد و آن سیعہا را اینجا آورد کہ من باین کار مشغول شوم چہ توانم کرد در ولایت ما از شاعری ننگتر کارے نبوذا ما اگر در آن ولایت می ماندیم موافق طبع ایشان بہ زیستیم آن می ورزیدیم کہ ایشاں خواستندے مثل درس گفتن و تصانیف کتب و تذکیر و وعظ و عمل ظاہر ورزیدن[1] "

مناقب میں مولینا کا ایک اور بیان درج ہے۔

"مردم این ملک از عالم عشق مالک الملک و ذوق درون قومی بے خبر بودند ، چنان مشاہدہ کردیم کہ بہ ہیچ نوع بطرف حق مائل نبودند و از اسرار الہی محروم می ماندند بطریق لطائف سماع و شعر موزون کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است ، آن معانی را درخورد ایشان دادیم چہ مردم روم اہل طرب و زہرہ بیان بودند ، مثلاً طفلے رنجور شود و از شربت طبیب نفرت نماید و البتہ فقاع خواہد طبیب حاذق دارو چنان نماید کہ دارو را درکوزہ فقاع کردہ بدو دہد تا بوہم آن کہ فقاعت شربت برغبت نوشیدہ ، از خلل علل صافی گشتہ حلل صحت درپوشیدہ مزاج سقیم مستقیم کند[2] "

---

[1] مقدمہ فیہ ما فیہ ص۳ [2] ص۵۲ مناقب العارفین ،

اپنے دیوان کی معنوی قدر و قیمت کے متعلق ان کا یہ خیال ہے،

آب حیات آمد سخن کا بد ز علم من لدن — جان را از و خالی مکن تا بر دہد اقبالہا

خموش شو کہ بے گفتی و کس نشنود — کہ ایں دہل زچہ بام است ایں بیا زن کجا

ع گہر سفتم درین دیوان کہ تا تو رستی از دیوان

اپنے کلام کے صوری نقائص کا ان کو پورا علم و احساس تھا، اس کے متعلق بے لاگ رائے اور صحیح وجہ ان کے پاس تھی، ان میں سے ایک شعر اوپر ہم نے عیوب شعر کی بحث میں درج کیا ہے، یہاں اسکے علاوہ دوسرے اشعار درج کرتے ہیں،

تو ز لوح دل فرو خوان تمامی ایں غزل را — منگر تو از زبانم کہ لب و زبان نماند

حضرت شمس سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں،

شمس تبریز بجز عشق ز من ہیچ مجو — زان کسے داد سخن جو کہ سخندان باشد

شیخ سعدیؒ کی قدر شناسی، شیخ سعدی غزل کے بادشاہ ہیں، ان کے کلام میں شاعرانہ حسن خیال اور حسن بیان دونوں کی خوبیاں کماحقہ موجود ہیں، لیکن مولینا روم کی ذات عالی صفات اور انکے کلام کی معنوی قدر و قیمت کا انھیں بہت احساس تھا، چنانچہ ملک شمس الدین حاکم شیراز کی ایک درخواست پر انھوں نے مولینا کی ایک غزل بھیجی، اور اس کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں، اس سے ان کے دل میں مولینا کی عظمت اور ان کی شاعری کی قدرشناسی کا پورا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ مناقب میں ہے،

"اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ہندی کہ ملک ملک شیراز بود[1]، رقعہ بخدمت اعذب الکلام الطف الانام شیخ سعدی علیہ الرحمہ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلی غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد از ان ہر یک کہ باشد بفرستی تا غذائی جان خود سازم"

[1] والی یا حاکم تھا،

شیخ سعدی غزل از ان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند خلق بکلی ربودہ آن شدہ و نوشت و ارسال کرد و آن غزل اینست،

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست ۔۔۔ ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست

در آخر رقعہ اعلام کرد کہ در اقلیم روم بادشاہے مبارک ظہور کردہ است و این از نفحات سراوست کہ این بہتر سخنے نہ گفتہ اند و نہ خواہند گفتن و مرا ہوس آنست کہ بزیارت سلطان بدیار روم آییم و روئیم را بر خاک پائے او مالم"

حضرت جامیؒ کی رائے، حضرت مولینا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مشہور اشعار میں مولانا کے کلام کی معنوی قدر و قیمت کا اعتراف فرمایا ہے، اگرچہ اس میں خاص طور پر ذکر مثنوی کا ہے لیکن یہ دیوان پر بھی صادق آتا ہے،

من چہ گویم وصف آن عالیجناب ۔۔۔ نیست پیغمبر ولے دارد کتاب،

دولت شاہ اپنے مشہور تذکرہ میں مولینا کے کمال اور ان کے کلام کے متعلق لکھتا ہے،

در تحصیل علوم یقینی عالم ربانی و در مراتب توحید و تحقیق سالک صمدانی است و رموز و اشارات عالم غیب را بشیوۂ سخن گستری بیان کردہ و طریق عین الیقین را بواسطہ علم الیقین بعیان رسانیدہ،

موج چون بر اوج زد آں بحر زخار از شرف

لولوئی منظوم بر ساحل فگند از ہر طرف،

علامہ شبلی نعمانی کی رائے، علامہ شبلی جو سخن فہمی میں خداداد ملکہ رکھتے تھے، مولانا کے کلام کے متعلق انکی رائے یہ ہے،

"مولانا کا فن شاعری نہ تھا، اس بنا پر ان کے کلام میں وہ روانی برجستگی نشست الفاظ

سن ترکیب نہیں پائی جاتی، جو اساتذہ شعرا کا خاص انداز ہے، اکثر جگہ غریب اور نامانوس الفاظ آجاتے ہیں، ذکب اضافت جو مذہب شعر میں کم از کم گناہ صغیرہ ہے، مولینا کے ہاں اس کثرت سے ہے، کہ طبیعت کو وحشت ہوتی ہے، تعقید لفظی کی مثالیں بھی اکثر ملتی ہیں، تاہم سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعر ایسے بھی انکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں، جن کی صفائی اور برجستگی اور دلآویزی کا جواب نہیں"

پروفیسر براؤن اور ڈاکٹر نکلسن کی رائے

پروفیسر براؤن آنجہانی جنھوں نے مدت العمر فارسی ادبیات کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور صاحب ذوق بھی تھے، مولینا کے دیوان کے سلسلہ میں ڈاکٹر نکلسن کی رائے سے اتفاق کیا ہے، جسے ہم آگے درج کریں گے،

ڈاکٹر نکلسن کو فارسی کے صوفیانہ ادب سے خاص دلچسپی ہے خصوصًا مولینا روم کی تصانیف سے انکو بیحد لگاؤ ہے، مثنوی کے صحیح نسخہ کی ترتیب اور ترجمہ کے اہم فرائض بڑی خوش اسلوبی سے برابر انجام دے رہے ہیں، دیوان اور مثنوی کے فرق اور مشابہت پر ان کا یہ خیال ہے،

"ہم نے دیکھا ہے کہ فلسفۂ تصوف مولینا کی آمد طبع کا سرچشمہ ہے، اس سرچشمہ سے مثنوی اور دیوان دو نہریں الگ الگ جاری ہوئی ہیں، ایک کی شان بے پایاں دریا کی طرح ہے، ساکت وعمیق نہایت زرخیز اور گوناگوں مرغزاروں سے گذرتی ہوئی اس سمندر میں جا گرتی ہے جس کی کوئی حد نہیں، دوسری نہر گویا ایک جوش مارتی ہوئی طوفان خیز موج ہے، جو اچھلتی کودتی ہوئی آبادی سے دور کہساروں میں جاکر جنکی لطافت عالم بالا سے چشمک زنی کرتی ہوئی غائب ہو جاتی ہے"

(دیوان شمس تبریز مقدمہ از ڈاکٹر نکلسن)

مثنوی میں اخلاقی عنصر زیادہ ہے، دیوان میں صوفیانہ خیالات کے اظہار میں دلی کامل

کا نقطۂ نظر یا نصب العین پیش نظر ہے،

(مکتوب ڈاکٹر نکلسن بنام جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ)

علامہ اقبال کی رائے، اس عہد کے مشہور اور معروف فلسفیوں اور شعراء میں ڈاکٹر اقبال مولینائے روم کے قدر شناس ہیں، یہ واقعہ ہے، کہ ان کی طبیعت اور ذوق کو مولینا سے بید مناسبت ہے، انہی کا قول ہے،

صراِ نگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

ان کے پیام اور کلام میں رومی کا اثر نمایاں ہے، اپنے تازہ ترین شاہکار جاوید نامہ میں ڈاکٹر اقبال نے عالم معنی کی سیر و سیاحت میں مولینا ہی کو راہنما بنایا ہے، اور اپنی تصانیف میں انہوں نے مولینا کے مسلک اور شاعری کے متعلق مختلف پیرایوں میں اظہار رائے کیا ہے، ہم ان اشعار کو یہاں نقل کرتے ہیں، تا کہ مولینا کی شاعری کے متعلق ان کے نقطۂ نظر کا اندازہ ہو جائے،

مولینا کے کلام کی معنوی قدر و قیمت کے متعلق انکی رائے یہ ہے،

مرشدِ رومی حکیم پاک زاد
سرِ مرگ و زندگی برما کشاد

معنی از حرفِ او ہمی روید
صفتِ لالہ ہائے نعمانی،

نکتہ دانِ المنی را در ارم
صحبتے افتاد با پیر عجم

شاعرے کو ہمچو آن عالی جناب
نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

بوعلی اندر غبار ناقہ ماند،
دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

رازِ معنی مرشد رومی کشود
فکر من بر آستانش در سجود

اگرچہ زادۂ ہندم فروغ چشم من است
ز خاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز

باز برخوانم ز فیضِ پیرِ روم — دفترِ سربستہ اسرارِ علوم،

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار — من فروغِ یک نفس مثلِ شرار

پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

موجم و در بحرِ او منزل کنم — تا درِ تابندۂ حاصل کنم

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم
زندگانی از نفسہایش کنم

خود دبود پیرِ حق سرشت — کو بحرفِ پہلوی قرآن نوشت

مولینا کے کلام کے حیات آفرین اثر کے متعلق ان کا بیان یہ ہے،

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور — تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزے

بیا کہ من ز خمِ پیرِ روم آوردم — مئے سخن کہ جوان تر ز بادۂ عنبی است

شرارے جستہ گیر از درونم — کہ من مانندِ رومی گرم خونم

شعلہ درگیر و زد بر خس و خاشاکِ من — مرشدِ رومی کہ گفت منزلِ ما کبریاست

جاوید نامہ ان کی جدید ترین تصنیف ہے، عوالمِ علویہ کی سیر میں مولینا روم کو انھوں نے اپنا راہنما قرار دیا ہے، اس کتاب میں مختلف جگہ پر حضرت رومی کی شخصیت اور ان کے پیام کے مختلف پہلوؤں پر نظرِ غائر ڈالی ہے،

روحِ رومی پردہ ہا را بر درید، — از پسِ کہ پارۂ آمد پدید،

بر لبِ او سرِ پنہانِ وجود، — بندہائے حرف و صوت از خود کشود،

حرفِ او آئینۂ آویختہ — علم با سوز درون آویختہ

اجمالی ریویو،	الحاصل مولینا کی شاعری متعدد خصوصیات خصوصاً معنوی قدر و قیمت کے نقطۂ نظر سے خاص حیثیت

رکھتی ہے، مولٰنا نے اپنی قوتِ فکر و شعر، زبان کاری کو سود مندی اور مذموم کو محمود بنانے میں نہیں صرف کی،

انکی شاعری کا مقصد بت پرستی یا بت گری نہیں، ان کا یہ منشا نہیں کہ لوگوں پر افسردگی اور خستگی طاری ہو، اور حسنِ صداقت سے انکا ربط ٹوٹ جائے، لوگ غلط اندیشہ و فکر میں مبتلا ہوکر ذوق عمل سے محروم ہو جائیں، ان کے کلام سے غفلت میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ روحانی جمود دور ہوتا ہے، ان کی فریاد و نالہ سے "عشق مجبور" رسوا نہیں ہوتا، بلکہ "عشق غیور" کو سرخروئی حاصل ہوتی ہے، ان کے کلام کے مطالعہ سے یقین محکم اور عمل پیہم کا ذوق پیدا ہوتا ہے، ان کی شاعری افراد اور اقوام کی تعمیر خودی میں ممد و معاون ہے، ڈاکٹر اقبال نے اسرار خودی میں فکر و شعر کا جو معیار پیش کیا ہے، اس پر مولٰنا کی شاعری پوری اترتی ہے،

ہر شاعر کا کلام رطب و یابس کا مجموعہ ہوتا ہے، بقول ہیرسن (Harrison) کسی شاعر کی عظمت کا اندازہ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کلام کے بہترین حصہ کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جائے، اس نقطۂ نظر سے مولٰنا دنیا کے مشہور ترین شعراء کی صفِ اول میں ہیں، انکے فکر و شعر کی عظمت زمان و مکان کی قیود سے بلند تر ہے، انکی شاعری پر یہ قول صادق آتا ہے،

اہل دل را سینۂ سینا دہد

با ہنرمندان یدِ بیضا دہد،

مولانا کا مسلک تصوف یا فلسفۂ حیات

(دیوان کی روشنی میں)

لا الٰہ اے جان رہِ الا اللہ است

ما ہمہ از لا بہ الا می رویم

مسلک[1] تصوف، اسکی بنیاد اور حقیقت کے متعلق مختلف طبقات میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں امتداد زمانہ سے پیدا ہوئیں مستند اصحابِ طریقت اور اربابِ معرفت اس امر پر متفق ہیں، کہ تصوف اس سے زیادہ کچھ اور نہیں، کہ اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا جائے یعنی آپ کو ظاہر و باطن میں آیۂ کریمہ اخلصوا دینھم للہ کا مصداق بنایا جائے، خدا کی محبت میں محبوبِ خدا کی اتباع کیجائے تاکہ بارگاہِ ربانی میں محبوب اور مقبول بندوں میں شمار ہو قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ قربانی اور نماز، زندگی اور موت خدا ہی کے لئے ہو، از آدم تا بہ خاتم الانبیا سارے انبیاء کی زندگی کا نصب العین یہی رہا ہے (قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین،) مخلص تبعین اسی راہ پر چلتے رہے، اور چلتے ہیں، ہاں ایسا ہوا ہے کہ زمانہ کے اقتضاء اور ماحول کی ضرورت کے باعث تعلیمات اور اصول مختلف پیرایئے میں پیش کئے گئے، مثلاً جب مسلمانوں میں فلسفہ کا زور ہوا، اور اس مذاق نے اہلِ علم وفن کو گرویدہ کر لیا، تو حضرت شیخ اکبر نے عقائد و اعمال کو فلسفیانہ تفکر کے انداز میں پیش کیا

---

[1] نفس تصوف کی حقیقت اور اس کا تاریخی انقلاب میرا اصل موضوع بحث نہیں، نہ یہ میری علمی تحقیق کے حدود میں ہے، میرا اصل موضوع بحث مولانا کے مسلک کے اصول ہیں، یہاں میں نے تمہیداً سرسری طور پر چند خیالات کا اظہار کیا ہے،

اور مختلف اصحاب نے اسکی پیروی کی فصوص الحکم سے حجۃ اللہ البالغہ تک اسی کی مختلف صورتیں ہیں، اور جب شاعری کا ذوق عام ہوا، تو بعض اہلِ عرفان نے پیغامِ حقیقت پہنچانے کے لئے شاعری کو اپنا ذریعہ بنایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے مختلف پیچیدگیاں ضرور پیدا ہوئیں، لیکن حقیقت کبھی تبدیل نہیں ہوئی، حقائق اور معارف اصول اور عقائد میں تبدیلی نہیں ہوئی، سنائی سے جامی تک یہی رنگ ہے شیخ سعدی نے باوجود اسکے کہ عشقِ حقیقی کا بیان پیرایۂ مجاز میں کیا ہے، فرماتے ہیں، سه

میندار سعدی کہ راہ صفا، توان رفت جز در پئے مصطفیٰؐ

جب مسلمانوں میں زوال کے آثار غالب ہوئے، تو بقول مولینا عبدالماجد ان کے دل و دماغ پر ایرانی تخیلات، یونانی توہمات اور ہندی مراسم کا اثر ہوا، انھوں نے ان چیزوں کو اپنے علم و عمل کا جزو لازم بنا لیا۔ غلط خیالات اور غلط کاری عام ہوئی، کثرت سے لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہوئے، ایمان گرفتارِ رسوم ہوگیا، شیوہ ہائے کافری کو وسعتِ مشرب سے تعبیر کیا گیا، قوالی اور پشمینہ پوشی اہلِ کمال کے لوازم قرار دئے گئے،

قوم ما از ستر ایں مسموم گشت خفت و از ذوقِ عمل محروم گشت،

ابتدا میں امام غزالی اور آخر میں حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تجدید و اصلاح کا صور بڑے زور سے پھونکا، قلبِ سلیم رکھنے والے تو چونک گئے، لیکن غلط فہمی اور غفلت کا بالکلیہ ازالہ نہ ہوا، اس دور میں مستشرقین نے غلط فہمیوں میں اور اضافہ کیا، ایک تو وہ خود ان حقائق سے کماحقہ واقف نہ تھے دوسری ہماری غلط نگاری اور غلط کاری نے انھیں بھی دھوکہ میں ڈالدیا، بعض نے بہت کچھ جاننے پہچاننے پڑھنے لکھنے کے بعد بھی غلط بیانی کی، انھوں نے کہا کہ دین اسلام تمام تر تقشف اور خوف کا مذہب ہے، تصوف سے جو مسلک محبت مراد ہے، اسکے عناصر دین اسلام میں نہیں ہیں، یہ عناصر اسلام میں علیسائیت سے داخل ہوئے ہیں، اسلام کا خدا توریت کا جبار و قہار خداوند تو ہو سکتا ہے لیکن

انجیل کا مہربان باپ وہ کبھی نہیں یہی وہ مقام ہے، جہاں مستشرقین کے کمال علم اور تعصب کی حقیقت کھلتی ہے تعصب نے اُنکی چشم بصیرت کو اندھا کر دیا ہے، غالباً وہ قرآن اور حدیث کو غلط بیانی کی نیت سے پڑھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انھیں کوئی خاص حجاب اصل حقیقت پر نظر ڈالنے سے مانع ہوتا ہے، اور کتاب وسنت کے غالب حصہ کی تعلیمات پر انکی نظر ہی نہیں پڑتی، قرآن میں انہیں اسمار الہیہ میں سے قہار منتقم وغیرہ اسمار جلالیہ تو نظر آتے ہیں لیکن رؤف، رحیم، ودود اور غفور وغیرہ جیسے اسمار جمالیہ اور ان اعتبارات کی آیات نظر ہی نہیں آتیں، انکو قرآن میں یہ کہیں نہیں دکھائی دیتا کہ خدا سے شدت محبت ہی کا نام ایمان ہے الذین آمنوا اشد حبا للہ، اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ دین اسلام اتباع رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے، یہاں خدا کی محبت ہی شرط اتباع ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بندہ محبوب خدا ہوتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اس کے علاوہ قرآن مجید میں محبت کے یہ اعتبارات بے شمار مواقع پر بیان کئے گئے ہیں، کہیں ان اللہ یحب المحسنین ہے کہیں ان اللہ یحب الصابرین ہے، اسکے مقابل ان اللہ لا یحب الظالمین، وغیرہ بھی ہے، اسلام میں اعمال خیر کی بنیاد بھی خدا کی محبت ہی ہے، یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیرا، اکثر جدید تعلیمیافتہ حضرات پر جو نہ اپنے دین کے اسرار سے واقف ہیں، نہ غیروں کے دجل و مکر سے مستشرقین کا یہ جادو چل گیا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف کو فی الحقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہیں، نہ معلوم تصوف سے ان کی کیا مراد ہوتی ہے، درانحالیکہ اصل تصوف ہی اسلام کی خالص اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے،

غلط فہمیوں کے ان ظلمات سے نکلنے اور صداقت سے مستفید ہونیکا واحد طریقہ یہی ہے کہ کتاب وسنت کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے، اسکے بعد سارے اکابر صوفیہ مثلاً شیخ ابو نصر سراج، شیخ علی بن عثمان ہجویری، حضرت ابو القاسم قشیری، خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی وغیرہ خصوصاً بانیان سلاسل صوفیا مثلاً محبوب ربانی حضرت شیخ جیلانی بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ، حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی بانی سلسلۂ عالیہ چشتیہ، حضرت شیخ شہاب الدین

بانی سلسلۂ عالیہ سہروردیہ اور شیخ بہاء الدین نقشبند کے تصانیف ملفوظات اور تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے جس سے صاف معلوم ہو جائے گا، کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے، اصل تصوف کسے کہتے ہیں، مردصوفی کون ہے، راہ صفا کے کیا شرائط ہیں، سب سے بڑھکر یہ کہ تصوّف اور کتاب وسنت میں کیا ربط ہے،

صوفیائے کرام اور اکابر اہلِ عرفان میں عارف رومی کو خاص اہمیت ہے انکا قول اس بارے میں مستند اور انکا بیان حجت ہے، اگر کوئی اس کا کامل اندازہ کرنا چاہے، کہ مولانا کے نزدیک تصوف کسے کہتے ہیں اور صوفی کون ہے، اور مولینا کا مسلک کیا ہے، تو مثنوی معنوی اور فیہ ما فیہ یعنی حضرت کے ملفوظات کا مطالعہ کرے، حقیقت حال سے کاملاً باخبر ہو جائے گا،

لیکن ان کی تصانیف میں ایک دیوان بھی ہے، بقول مولینا عبد الماجد دریابادی ہر چند دیوان کسی ایک وقت کی مسلسل تصنیف نہیں، سالہا سال کی متفرق غزلوں کا مجموعہ ہے، اس سے کسی ایک معین مسلک کا استنباط ممکن نہیں، کوئی غزل کسی حال کی شارح ہے اور کوئی کسی کیف کی، کیونکہ دیوان دورِ تلوین کی تصنیف ہے دورِ تمکین کی نہیں، غزلیات مولینا نے اسوقت لکھے ہیں جبکہ وہ صاحبِ حال تھے، صاحبِ مقام نہیں، دیوان میں زیادہ تر صوفیانہ جذبات اور متفرق احوال کی ترجمانی ہے، تعلیم وارشاد اصول اور معارف مثنوی میں توضیح اور تصریح کیساتھ ہیں یہ تصنیف دورِ تمکین کی ہے، یہ مولینا نے اسوقت لکھی ہے جب وہ صاحبِ مقام ہو گئے اور سالک نہیں بلکہ راہبر ٹھہرے اور تبلیغ وہدایت پر مامور ہوئے،

لیکن پھر بھی دیوان اُسی گلشن کا ایک پھول ہے اور اُسی بہار کا رنگ ہے، اس لئے اختلافِ حال کے باوجود ان میں وحدت کا ایک رشتہ ضرور ہے چنانچہ انکے مسلک پر اجمالاً دیوان سے بھی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی اور ملفوظات سے اسکا اصولی اور معنوی اتحاد ہے، اسلئے یہ بیان مختصر ہوگا، صفحاتِ آیندہ میں ہمارا موضوع تحریر یہی ہے، اختصار کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ بعض مسائل جنکا مولینا کے مسلک اور فلسفۂ حیات سے گہرا تعلق ہے، باب سوم کے مہمات مضامین کے تحت زیرِ بحث آچکے ہیں، ذیل میں انکو ہم اشارۃً اور کنایۃً بیان کریں گے،

توحید، | دین کی اہم ترین نعمت توحید ہے، اسلام کا کمال بھی توحید ہی میں پوشیدہ ہے، لازماً ارباب صفا اور مخلصین کا زیادہ تر زور اسی مسئلہ پر ہے، خالص عبدیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی، جب تک کہ شرک کے ظاہری و باطنی سارے اعتبارات دور نہ ہو جائیں، اور بندہ بادۂ وحدت سے سرشار نہ ہو، اس لئے قرآن مجید میں سورۂ توحید کا نام سورۂ اخلاص رکھا گیا ہے، کیونکہ وہ بندہ کے اندر خالص توحید پیدا کرتا ہے، اور شرک کے امراض کا منافی علاج ہے، توحید ہی مسلکِ ابراہیم کا طرۂ امتیاز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ میں تمام نوعِ انسان کو حکم ہے، کہ مسلک و ملت ابراہیم کی اتباع کریں،

مولانائے روم کے دیوان میں عناصر تصوف میں سے عنصرِ توحید پر سب سے زیادہ زور ہے، اور یہی ان کے مسلک کی روح ہے، توحید کے معنی صرف خدا کو ایک ماننے ہی کے نہیں ہیں، بلکہ ایک کے ہو رہنے، ایک کو محبوب مقصود اور مطلوب بنانے اور ایک ہی کی رضا پر چلنے کے ہیں، مولانا نے اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، اور اس باب میں ان کا جوش کامل طور پر ظاہر ہوا ہے، ع؛

وکیے گوے وکیے بجوے وازہ سے ترس بس

ماسوا کے دام سے رہائی کے طالب ہیں،

خلاصم دہ خلاصم دہ خلاصم

کہ سخت افتادہ ام در دام دیگر،

منزلِ مقصود حق ہے،

سوئے مغرب نہ رویم و طرف مشرق نے

تا ابد گام زنان جانب خورشید ازلی

خوانده ایم انا الیه راجعون، تا بدانی کہ کجا ہا می رویم!

توحید کا آخری مرتبہ توحید ذاتی ہے، مولانا ذکر بھی خاص طور پر اسم ذات کا کرتے تھے، معین الدین پروانہ نے سوال کیا کہ مختلف مشائخ مختلف اوراد اذکار کے پابند ہیں حضرت کا طریق ذکر کیا ہے، فرمایا،

ذکر ما اللہ اللہ است از آنکہ ما، از الہ می آئیم و باز بالہ میرویم
(اسم ذات) (دیوان)

ع ما زادہ ذاتیم سوئے ذات رویم،

ع بر رفتن ما دہید یاران صلوات،

"حق تعالیٰ جمیع انبیاء و اولیاء را از اسم مخصوص تجلی فرمودہ است تجلی ما محمدیان از اسم اللہ کہ جامع است تجلی فرمودہ است، من قل ہو اللہ احد را در دہان می دارم"

آخری جملہ میں روم کے اس صوفی اعظم نے تصوف اور کتاب و سنت کا جو ربط ظاہر کیا ہے، خاص طور پر غور و فکر کے قابل ہے، توحید کی جامعیت نسبت محمدی کے طفیل حاصل ہوئی جس کی تعلیم کا حامل سورۂ اخلاص ہے،

صاحب مناقب[۲] نے مولینا کی ایک دعا نقل کی ہے، جو توحید کے تمام اعتبارات کی جامع ہے، توحید ذات اس میں غالب اور نمایاں ہے،

"اعددت لکل ہول لا الہ الا اللہ ولکل غم وھم ما شاء اللہ ولکل نعمۃ الحمد للہ ولکل رخاء الشکر للہ ولکل اعجوبۃ سبحان اللہ ولکل ذنب استغفر اللہ ولکل ضیق حسبی اللہ ولکل قضاء و قدر توکلت علی اللہ

---

[۱] مناقب العارفین ص۱۴۹ مطبوعہ ستارہ پریس آگرہ کتب خانہ حیدرآباد دکن، [۲] مناقب العارفین ص۱۵۱،

ولکل مُصیبۃ انا للہ وانا الیہ راجعون ولکل طاعۃ ومعصیۃ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم،

دیوان میں یہی نغمۂ توحید بطرز دیگر ہے، نفی واثبات طریق سلوک ہے کلمۂ توحید میں لا سے نفی باطل اور الّا سے اثبات حق مقصود ہے، مولانا کی راہ یہی ہے،

لا الہ اے جان راہ الا الہ است　　ماہم از لا تا بہ الا می رویم،

توحید وجودی مسئلۂ وحدت الوجود

وجود وقیام ذاتی رب العزت ہی کو حاصل ہے، اسی قیوم کی قیومیت سے محسوسات وعوالم امکانیہ قائم اور موجود ہیں، ہو ایسی القیوم اگر ادھر سے فیض وجود نہ ہو تو سب عدم ہی عدم ہے، ع

تو خود دانی کہ من بے تو عدم باشم عدم باشم،

وجود کے چار اعتبار ہیں، اولیت آخریت ظاہریت اور باطنیت، یہ چاروں اعتبارات ذات حق ہی کے ساتھ مختص ہیں، مخلوق معلوم حق ہے، یہ اپنی ماہیت میں غیر ذات حق ہے یہی معنی ہیں تشبیہ مع التنزیہ کے، سبحان اللہ وما انا من المشرکین،

ھو الاول والآخر والظاہر والباطن وھو بکل شیئ علیم،

ھو الاول ھو الآخر ھو الظاہر ھو الباطن،

بجز یا ہو ویا من ہو، کسے دیگر نمی دانم،

دوئی از خود بدر کردم یکے دیدم دو عالم را　　یکے جویم یکے دانم یکے بینم یکے خوانم

توحید انیت "لا الہ الا انا" کا انکشاف توحید کی نازک ترین اور اہم ترین منزل ہے، سرفرازی اور کامیابی کا یہی مقام ہے، یافت حق میں حجاب اکبر یہی ہے، خود شناسی کا محل اور اہمیت یہیں ظاہر ہوتی ہے فیہ مافیہ میں[1]

---

[1] فیہ مافیہ ملفوظات مولینا روم مطبع معارف اعظم گڈھ ص ۲۱،

مولینا نے اسکی اہمیت پر بہت زور دیا ہے:

"آنچہ ہست وبا او بہ دیک تراز ہمہ آنست کہ آن حروی اوست او خود رانمی داند ہمہ چیز ہا را

حل وحرمت حکم می کند کہ ایں جائز است وآن جائز نیست واین حلال است وآن حرام است

خود رانمی داند کہ حلال است یا حرام است، او جائز است یا ناجائز است، پاک است یا ناپاک است"

این تجویف و بردی ونقش وتند ویرہ ردی عارضی است کہ چون در آتش اندار ی این ہمہ نماند

ذاتی شود صافی ازین ہمہ"

آگے چل کر اس سے زیادہ وضاحت فرماتے ہیں، اور توحید انیت کے حصول کی راہ بتاتے ہیں،

"پیش او دو "انا" نمی گنجد تو "انا" می گوئی واو "انا" یا تو بمیر پیش او، یا او بمیرد پیش تو تا دوئی نماند

اما آنکہ او بمیرد امکان ندارد، نہ درخارج و نہ در ذہن، کہ ہو الحی الذی لا یموت، او را آن لطف

ہست کہ اگر ممکن بودے برائے تو بمردے تا دوئی برخاستی اکنون چوں مردن او ممکن نیست تو بمیر

تا او بر تو تجلی کند و دوئی برخیزد"[1]

دیوان میں فرماتے ہیں،

غبارہاست درون تو از حجاب منی ز تو بروں نہ شود آن غبار یکبار

گر تو فرعون منی از مصر این بیرون کنی در درون خانہ بینی موسیٰ ہارون خویش

جب یہ منزلیں طے ہوجاتی ہیں تو عینیت وجودی و غیریت ذاتی کے اسرار بے پردہ ہوجاتے

ہیں، اور انسان کی جامعیت معلوم ہوتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے،

ما زندہ بنور کبریائیم بیگانہ او سخت آشنائیم،

توحید ارادت توحید صفاتی میں فنائے ارادت درجۂ کمال ہے، یہ مرتبہ اس طرح حاصل ہے، کہ بندہ

---

[1] فیہ ما فیہ ص۲۰؁،

اپنی رضا کو رضائے الٰہی میں فنا کر دے،

مرا گر تو چنان داری چنینم که باشم من چه باشد مهر و کینم

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کو بندے کی رضا محبوب ہو جاتی ہے، ولسوف یعطیك ربك فترضی کا راز یہی ہے، راضیۃ مرضیۃ میں اسی مقام کا اشارہ ہے، رضی اللّٰہ عنہ و رضوا عنہ سے مراد یہی توحید ارادی ہے،

چو در کشاکش احکام راضیت بینند زرنجها برہانند و مرتضات کنند،

جبتک سالک کو ایمان و عمل میں مرضی حق کی پیروی مقصود نہ ہو، اس کی نیکخوئی اور نکوکاری مقبول و معتبر نہیں، اسکی سعی اور اسکا عمل خبط ہو جاتا ہے،

بخوے نیک اگر با جہاں بسازد کس چو ں خوے حق نشناسد نہ نیکخوست بدست

حافظ نے کیا خوب فرمایا ہے،

از دل و جاں شرف صحبت جاناں غرض است همه اینست وگر نه دل و جاں این همه نیست

فیہ ما فیہ میں اس اصول کے متعلق لکھا ہے،

ایشان می پندارند کہ عمل این ظاہر است اگر منافق آن صورت عمل بجائے آرد ہیچ او را سود ندارد چون در و معنی صدق و ایمان نیست، (فیہ ما فیہ ص ۸۲)

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم،

رہ گم نکنیم و پئے ہر غول نہ پوئیم، جز در عقب احمد مختار نہ گردیم،

(دیوان رومی)

اتباع رسالت، | توحید ہی مسلک تصوف کا مطلوب اور مقصود ہے، لیکن توحید کی کنجی رسالت ہے، بادۂ حقیقت کے مشتاقوں کے لئے رسول ہی میخانۂ غیبی کا دروازہ کھولتے ہیں، معرفت الٰہی میں مشغول ہوا

رسول ہی کا علم اور عمل ہی علم حق رسول کو خدا سے ملتا ہے اور رسول سے ساری مخلوق یہ فیض عظیم پاتی ہے مولینائے روم نے پیغام رسالت اور اتباع رسالت پر بیحد زور دیا ہے، مثنوی اور ملفوظات تو ان مسائل کی تصریح اور تشریح سے بھرے پڑے ہیں، دیوان میں بھی اس کا پورا حق ادا کیا ہے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ صوفی کو رسول سے تعلق نہیں، صوفی کا مسلک الگ ہوتا ہے، اسے تو کفر دین کی تمیز ہی نہیں پیغمبر حق و باطل اور کفر دین میں تمیز کرتے ہیں، وہ عارف روم کے ان اقوال کا بغور مطالعہ کریں تاکہ حقیقت روشن ہو جائے،

علم حق وحی انبیاے کرام اپنی طرف سے تعلیمات نہیں پیش کرتے، بلکہ خدا کی طرف سے جو کچھ ان پر وحی ہوتی ہے، اس علم حق کی تبلیغ کرتے ہیں،

وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحیٰ،

چون پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم مست شدے و بخود گشتے سخن گفتے قال اللہ آخر از روے صورت زبان او میگفت اما او در میان نہ بود گوینده در حقیقت حق بود، .... پس معلوم شد کہ او نمی گوید حق می گوید کہ وما ینطق عن الهویٰ[1]،

زیں سبب قل گفتهٔ دریا بود، گرچہ نطق احمدی گویا بود،

اسلئے جو ایمان اور عمل میں رسول کا متبع نہ ہو، وہ کبھی مقصود کو نہیں پہونچ سکتا، جو خدا کا محبوب بننا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو مقبول بارگاہ بنانا چاہتا ہے، اس پر اتباع رسالت فرض ہے، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ صوفی وہ ہے جو کمال اخلاص و عرفان سے اتباع رسالت کی تکمیل کرے، سالک کو جو کچھ ملتا ہے، اسی طرح ملتا ہے، اور جو کچھ ملے گا، اسی راہ سے ملیگا، کیونکہ حضور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جملہ کمالات کے جامع ہیں، مولانا فرماتے ہیں،

---

[1] فیہ ما فیہ صفحہ ۱۲۲ و ۵۴، [2] مناقب العارفین، صفحہ ۱۴۰

لطفِ خدائے جملہ کمالاتِ خلق را، یک چیز کرد و داد بدو نام مصطفٰےؐ

مناقب میں مولانا نے فرمایا کہ،

"من جمیع وارثِ محمدی ام"[۵۱]

مولیٰنائے معنوی کے علم و عمل کی بنیاد سلطان اہلِ معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر ہے،

"اہلِ معنی را متابعتِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم از جملہ واجبات است"

مولیٰنا کا فقر "فقرِ محمدی" ہے "فقرِ اشراقی نہیں" جبکو یہ دولت نصیب نہیں وہ احرار و ابرار کی جماعت ہی میں شامل نہیں ہوتا، مولیٰنا فرماتے ہیں،

"ہر کرا لذتِ فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم روی نمود حقا کہ از لعبِ دوجہانی و اغراض فانی اعراض کرد، و فارغ شدہ در مسلکِ احرار و ابرار منخرط گشتہ"[۵۲]

مولانا کا فقر و تصوف اشراقین کی اشراقیت، ہندی جوگیوں کا جوگ یا عیسائی راہبوں کی رہبانیت نہیں، کیونکہ وہ مردِ حق اور متبع رسول ہیں، ان کے مسلک میں رہبانیت نہیں، بلکہ لا رھبانیۃ فی الاسلام ہے،

مسلک کی جامعیت، | مولیٰنا کا ارشاد ہے کہ دین و دنیا یکے نمی شود، مگر مردانِ حق را[۵۳] "فیہ ما فیہ" میں بھی منشار ظاہر فرمایا ہے، اور یہی حدیث درج کی ہے، یہ مسلک نبوت کی خصوصیت ہے، کہ اس میں ظاہر و باطن کی جامعیت ہوتی ہے، اتباعِ نبوت کی وجہ سے مولیٰنا میں بھی یہ جامعیت و حقیقت ہے اس پر انکی زندگی بھی شاہد ہے، اور ان کے ملفوظات بھی، فیہ ما فیہ میں ہے،

"ما را ہمارا دل بخدمت بود، اما می خواستیم کہ بصورت مشرف شویم، زیرا کہ صورت نیز اعتبار عظیم دارد، چہ جائے اعتبار خود، مشارکست با مغز ہمچنانک کار بے مغز نمی آید"

[۵۱] مناقب العارفین ص ۱۴۷، [۵۲] رر ص ۲۳۶، [۵۳] رر ص

بے پوست نیز ہم برمی آید!

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض متصوفین جو اپنے آپ کو ظاہر کا پابند نہیں سمجھتے، اور صرف اسے کمال باطن خیال کرتے ہیں، کہ وہ کس درجہ بجا ئی پر ہیں، یہ محض افترا اور خلاف جامعیت ہے، مولینا کے قول سے ظاہر ہے کہ کبھی انسان ظاہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، جیسے جیسے اعمال کی تکمیل ہوتی ہے ظاہر باطن دونوں کے اعتبار سے مراتب اور مدارج بڑھتے ہیں، اور یہی نبوت کا رنگ ہے، اکبر مرحوم نے سچ کہا ہے،

شریعت در محفل مصطفےٰ | طریقت عروج دل مصطفےٰ،
شریعت میں ہے صورت فتح بدر | طریقت میں ہے معنی شق صدر
شریعت میں ہے قیل و قال حبیب | طریقت میں حسن و جمال حبیب،
نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ | عبث ہے یہ ملّا و صوفی کی جنگ،

اب دیکھئے کہ دیوان سے جو مسلک مستنبط ہوتا ہے، اسے کس حد تک ان اعتبارات سے ربط ہے،

فرماتے ہیں کہ فقرا الی اللہ کا اقبال رحمۃ للعالمین ہی کے دم سے ہے، ع :-

اندر رحمۃ للعالمیں اقبالی درویشان ہیں،

کیونکہ عاشقان الٰہی کے سردار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

چون مصطفےٰ است سرور سردار عاشقاں | جملہ مطیع او شدہ چہ شاہ و چہ گدا،

اسلئے حکم ہوتا ہے کہ اگر فقر اختیار کرنا ہو، تو راہ نسبت پیغمبر اختیار کرنی چاہئے، ع

فقر بگزیں راہ رو کاں سنت پیغمبر است،

کفر کی سیاہی نور محمدی ہی سے دور ہوتی ہے،

جامہ سیاہ کرد کفر نور محمد رسید، طبل بقا کوفتند ملک مخلد رسید

رندِ پاکباز جب کبھی شرابِ حقیقت کا جام نوش فرماتے ہیں، تو وسیلہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا سے لیتے ہیں،

پاکانِ راہِ فقر ز خمی نہٗ الست جائے چو در کشند دم از مصطفےٰ زنند

رسالت کی پیروی ہی سے انسان صراطِ مستقیم پر رہتا ہے، دوسرے طریقے غولانِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے سالک گمراہ ہوتا ہے،

رہ گم نہ کنیم و پے ہر غول نہ پوئیم جز در عقب احمد مختار نہ گردیم

کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے میخانہ غیبی کا دروازہ کھولا ہے، ع

بکشا و محمد درِ مے خانہ غیبی

مقصود اتباع نور محمدی ہی سے حاصل ہوتا ہے، ان کے آگے اپنے خیالات و خطرات کے اصنام توڑ دینے چاہئیں، ورنہ شرک فی الامر ہو جائے گا،

ما چند صنم پیش محمد بشکستیم تا در صنم و لبہ رو و نخواہ رسیدیم

فلک پیما و شب بیدار باشم طریق احمد مختار از اختر بگیرم،

مولینا کے سلسلۂ طریقت کے قافلہ سالار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

بخت جوان یار ما دادن جان کار ما قافلہ سالار ما فخر جہان مصطفےٰ،

لا تموتن الا وانتم مسلمون کی فضیلت انہی اصحاب کو حاصل ہوئی، جو اخلاق مصطفوی کو اپنا شعار بناتے ہیں،

وان کہ اخلاق مصطفےٰ جویند، چون ابوبکرؓ چون عمرؓ میرند،

دامنِ محمدی سے اپنے آپ کو حضرت بلالؓ کی طرح وابستہ کرنا چاہئے،

رو اے احمد مختار بگیر اے عاشق   صلائے عشق شنو ہر دمے ز روحِ بلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے جہلِ حقیقت اور کفر پیدا ہوتا ہے،

گر جاحد ایزدم جہولم،   ور منکر احمدم جہودم،

ترقی اس شے کی جو بندۂ دین و کیش ہوا، کیونکہ تصوف میں منشائے شریعت کی حسن وکمال و اخلاص کیساتھ تکمیل کا نام ہے،

اے خنک آنکہ پیش شد بندۂ دین و کیش شد   موسیِ وقتِ خویش شد جانب طور میرود

پیر کی رہنمائی، علم و عمل کی ہر شاخ میں رہنمائی کی ضرورت ہے، ورنہ حیاتِ علمی کی تعمیر ممکن نہیں اسی طرح دین میں بھی ہادی و رہنما کی ضرورت ہے، دین کے ظاہر و باطن دونوں پہلو ہیں، اسلئے کمالِ ایمان اور صاحبِ صفا بننے کے لئے ایسے آدمی کی صحبت اور ہدایت کی ضرورت ہے جس کا ظاہر و باطن آراستہ ہو، ایسے ہی شخص کو مرشد یا پیر کہتے ہیں، ہر اس انسان پر جو اخلاص اور صفا کا کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، ایسے رہنما کی تلاش لازم ہے، وابتغوا الیہ الوسیلۃ کونوا مع الصادقین، واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجہہ، (کھف)

سلوک الی اللہ کی اولین شرط یہی ہے کہ کوئی پیرِ حق پرست نصیب ہو، مولینا کا فرمان ہے،

"آدمی بباید کہ آن تمیز خود را عاری از غرضہا کند، ویارے کہ جوید، در دین کہ دین یار شناسیت"[1]

مناقب[2] میں مولانا کا قول درج ہے،

"بدانی کہ بے تربیت شیخ ہیچ تربیتے نیست و ہر طاعت بے براست و بے نور" من

لاشیخ لہ لادین لہ

ہیچ نہ کشد نفس را جز ظلِ پیر،   دامن آن نفس کش راسخت گیر،

---

[1] فیہ مافیہ صلا، [2] مناقب العارفین ص۱۵۶،

دیوان میں مولینا نے اس مسئلہ پر انہی خیالات کا اظہار کیا ہے،

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز — نے ماہ توان دیدن نے بحر توان شد

شمس الحق تبریزی صد گونہ کند دل را — گاہیش کند تیغش گاہیش سپر سازد

لیکن پیر کی صفت اور اس کا معیار یہ ہو کہ وہ ہم نفس مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور انوار مصطفوی سے اسکا دل منور ہو،

رسد بلیغ تجلی شمس تبریزی — دلے کہ نور ز انوار مصطفے دارد

شاد شہ بے بخش جان مفخر تبریزیان — آنکہ در اسرار عشق ہم نفس مصطفے ست

در ہوائے شمس تبریزی ز ظلمت در گذر — ناگہان سر بر زنی در نور سبحان مجتبیٰ

علمائے امت انبیا کے وارث ہوتے ہیں، بلکہ ان کی مثال انبیائے بنی اسرائیل کی سی ہے، اسلئے مولینا مرشد کو نبی وقت سے تعبیر فرماتے ہیں، حضرت شمس کے متعلق لکھا ہے،

بکشا دند خزینہ ہمہ خلعت پوشید،

مصطفے باز بیامد ہمہ ایمان آرید،

عشق پر مسلک کمال منحصر ہے،

تقریر بالا سے یہ ظاہر ہے کہ مولینا کا تصوف ان کا فلسفۂ حیات اور انکا مسلک یہی ہے، کہ توحید کے مراتب بکمال حاصل کئے جائیں، اور حصول مقصد کی راہ یہی ہے کہ علمًا اور عملًا رسول کی پوری پوری اتباع کیجائے، اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کیا جائے، اپنے اندر کمال اخلاص اور تسلیم پیدا ہو، نماز و عبادت میں جس طرح اپنا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے اسی طرح قلب بھی ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے،

ان کمالات کے حصول کے لئے ضروری ہو کہ ایک ایسے شخص کی ارادت اور صحبت اختیار کیجائے جو ان مراتب ایمانی کو حاصل کر چکا ہو، اور وہ انوار نبوت سے مستنیر ہو، لیکن مولینا کی نظر میں اصولًا

سلوک کی کوئی منزل بغیر درد وطلب، عشق ومحبت، تڑپ اور بے چینی کے طے نہیں ہوسکتی، جبتک دل میں محبت کا بیج نہ ہو، ایمان کا درخت پھل نہیں لاسکتا، اخلاص ورضا کا سمندر کشتی عشق ہی کے ذریعہ پار کیا جاتا ہے، فیہ ما فیہ میں ارشاد ہوتا ہے،

"درد یست کہ آدمی را رہبر است، در ہر کارے کہ ہست تا اورا درد آن کار، ہوس وعشق آن کار در درون نخیزد، او قصد آں کار نکند وآن کار بے درد اورا میسر نشود خواہ دنیا وخواہ آخرت خواہ بازرگانی خواہ بادشاہی خواہ علم خواہ عمل"

دیوان میں بھی مولانا نے عشق کا یہی مقام قرار دیا ہے، اور اسکی ایسی ہی اہمیت بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ عشق ہی باعثِ کائنات اور مقصودِ تخلیق ہے، ع

نخست از عشق او زادم بآخر دل بدو دادم

عشق سے مقصود عبدیت اور بندگی ہے،

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،

عشق کی اہمیت،

جہان درخت عمل برگ ومیوہ او عشق چو برگ ومیوہ نہ باشد شجر چہ سود کند

عشق معراج است سوی بام سلطان ازل از رخِ عاشق فروخوان قصۂ معراج را

زندگی کی آخری سانس بھی اسی عشق کے پیدا کرنے میں صرف ہونی چاہیے، ع

ترا اگر نفسے ماند غیر عشق مجوئے،

عشق ہی کا اندیشہ جہاد اکبر ہے، کیونکہ اس کی کشمکش اندیشۂ باطن کے ساتھ ہے، اس کا مقابلہ نفس کے ساتھ ہے، کیونکہ محبوبِ حقیقی کی محبت کو ماسوا کی محبت پر غالب کرنا پڑتا ہے، اور ہر فعل کو مرضی حق کے تابع کرنا پڑتا ہے، اسے نور الٰہی سے دیکھنا پڑتا ہے،

"چوں تمام اورا ایمان حقیقی باشد، او ہمہ فعل کند کہ حق خواہد" (فیہ ما فیہ صلا۱۳)

رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر یعنی با نفس مصاف کردن جہاد اکبراست،

(فیہ ما فیہ صلا۹۴)

نیتجہ اور استقامت، | یہ راہ بڑی کٹھن ہے، اس کوچہ میں صرف پائے ثبات (؟) کو اذن سیر ہے، اور وہی آستانہ جاناں تک پہنچ سکتا ہے، جو صاحبِ استقامت ہے، اسی راہ کے اختیار کرنے سے انسان اپنے شرف و عظمت کے اصلی مقام پر پہنچتا ہے، اسی طریق میں اس کا نشانہ خدا پر ہوتا ہے، خلافتِ الٰہیہ کی منزل تک اسے رہنمائی ہوتی ہے، اور جب اس نے اپنے آئینہ کو غیریت کے گرد وغبار سے صاف کیا ہے، تو ہمیشہ جمالِ الٰہی اس میں منعکس ہوتا ہے، (دیوان کے اشعار فیہ ما فیہ سے ملفوظات کی مطابقت کیساتھ درج کئے جاتے ہیں)

"وجود آدمی اصطرلاب حق است، چوں اورا حق تعالیٰ بخود عالم و دانا و آشنا کردہ باشد ازیں اصطرلاب وجود حق خود تجلی حق راو جمال بیچوں را دمبدم و لمحہ بلمحہ می بیند و ہرگز آں جمال ازیں آئینہ خالی نباشد" (فیہ ما فیہ صلا۱۳)

مومن بکمال ایمان کے باعث آئینۂ مومن (اسم اللہ) بنجاتا ہے ہو لینا کے متعلق افلاکی کا قول ہے، کہ

"در معنی المومن مرأت المومن لطائف می فرمود گفت اللہ را یک نام مومن است و بندہ را ہم مومن المومن مرأۃ المومن یعنی تجلی فیہا دتبہ یعنی در بندہ مومن اللہ مومن تجلی میکند تو اگر رویت اللہ میخواہی، در آں مرات در انا بینی آنچہ بینی،

آہن من صیقل عشقش چو یافت آئینہ کن رفت از وے آہنی

(مناقب العارفین صلا۳۰۹)

نہ ز بویم نہ ز رنگم نہ ز جسمم نہ ز جانم   حذر از تیر خدنگم کہ خدا ئیست کمانم

حق تعالیٰ انفس مومن کا خریدار ہوتا ہے، اس کی قیمت ذات اور صفات کے سارے فیوض ہیں، جسے جنت کہتے ہیں، جو ان برکات کے ظہور کا محل اور مقام رضا ہے "حق تعالیٰ ترا قیمت عظیم کردہ است، وہی فرماید کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ،

تو بہ قیمت برا بر جا لی،   چہ کنم قدر خود نمی دانی،

(فیہ ما فیہ ص۱۸)

نتیجہ سلوک بقا باللہ، عاشق ترک نفی خودی کر چکا ہے، اب اثنائے مطلق کی طرف سے اثبات دوام حاصل ہوگا، اسی کو بقا باللہ کہتے ہیں، یہی حاصل فنا ہے،

خیال ترک من ہر شب صفات ذات من گردد   مرا نفی من درسے ہمہ اثبات من گردد،

یہی حیات بعد الممات کا احسن ترین مرتبہ ہے، عارف عاشق اسی لئے موت سے بے خوف ہوتا ہے، کہ موت اس کے لئے راہ وصال اور رفع حجاب ہے، مولینا نے اس اصول اور اسی خیال کو ایک غزل میں تشریحاً بیان فرمایا ہے،

بروز مرگ چو تابوت من روان باشد   گمان مبر کہ مرا میل این جہان باشد

جنازہ ام تو چو بینی مگو فراق فراق   مرا وصال و ملاقات آنزمان باشد

فرو شدن چو بہ بینی بر آمدن بنگر   غروب شمس و قمر را چرا زیان باشد

کدام دلو فرو شد کہ زآب در نامد
ز چاہ یوسف جان را چرا زیان باشد

الحمد للہ کفی والسلام علی من اتبع الھدیٰ ،

طالع محمد اویس وارثی،